

تر بیت نفس

معالم وخطوط

تالیف

عبداللہ بن عبدالعزیز العیدان

ترجمانی

مشاق احمد کریمی

صدر و بانی الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار (انڈیا)

ناشر

الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین کتاب
۳	مقدمہ مترجم.....
۵	تمہید مولف.....
۶	ذاتی تربیت کا مقصد.....
۷	☆ ذاتی تربیت کی اہمیت.....
۷	اولاً: جان بچانا ہر چیز پر مقدم ہے.....
۸	ثانیاً: اگر آپ خود اپنی تربیت نہ کریں تو کون کرے گا؟.....
۸	ثالثاً: حساب انفرادی طور پر ہوگا.....
۹	رابعاً: بدلنے پر سب سے بڑا قادر.....
۱۰	خامساً: استقامت و ثابت قدمی کے وسائل.....
۱۰	سادساً: دعوت کے موثر ترین وسائل.....
۱۱	سابعاً: موجودہ حالت کی اصلاح کا صحیح طریقہ.....
۱۲	ثامناً: اس کی انفرادیت.....
۱۳	☆ تربیت سے اہمال برتنے کے اسباب.....
۱۳	اول: علم و معرفت کی قلت و کمی.....
۱۴	دوم: غرض و غایت اور مقصد کا دھند و غموض.....
۱۴	سوم: دنیا سے تعلق خاطر.....
۱۵	چہارم: تربیت کا غلط فہم و سمجھ.....
۱۵	پنجم: صحیح تربیت گاہوں کی قلت و کمی.....
۱۶	ششم: مربیوں کا خال خال وجود.....

- ۱۷ ہفتم: طویل امید و بیم کا شعور و احساس
- ۱۹ ☆ ذاتی تربیت کے اسلوب:
- ۲۰ پہلا اسلوب: مجاہدہ نفس
- ۲۵ دوسرا اسلوب: تمام گناہ و معاصی سے توبہ
- ۳۱ تیسرا اسلوب: طلب علم اور دائرہ معرفت میں توسیع
- ۳۵ چوتھا اسلوب: اعمال ایمانی کی تطبیق و تحفیذ
- ۴۴ پانچواں اسلوب: اخلاقی پہلو کا خاص اہتمام
- ۴۹ چھٹا اسلوب: دعوتی امور میں شرکت
- ۵۳ ساتواں اسلوب: مجاہدہ نفس
- ۵۸ آٹھواں اسلوب: صدق دعا اور اللہ تعالیٰ سے سرگوشی
- ۶۲ ☆ ثمرات و نتائج
- ۶۲ اول: اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور جنت کے حصول سے کامیابی
- ۶۳ دوم: سعادت و کامرانی اور چین و سکون
- ۶۴ سوم: محبت و مقبولیت
- ۶۵ چہارم: کامیابی و درستی
- ۶۶ پنجم: ہر شر و برائی سے حفاظت
- ۶۷ ششم: وقت اور مال میں برکت
- ۶۸ ہفتم: مصائب و شدائد اور گردش ایام کا تحمل و برداشت
- ۶۹ ہشتم: قلبی امن و سکون کا شعور و احساس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ:

پیارے بھائیو اور بہنو!

اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی بہترین نعمت بصورت اسلام عطا کی ہے.....

اور لاکھوں کروڑوں انسانوں میں ہمیں بطور مسلمان منتخب فرمایا ہے.....

کیا یہ درست ہوگا کہ ہم اعمال و ارکان اسلام پر کاربند اور عمل پیرا ہیں، اس حد پر رک جائیں؟ یا ہمارے لئے یہ مناسب ہوگا کہ ہم اپنے علم و ایمان اور اخلاق کی سطح کو مزید بلند کرنے کی تگ و دو کریں؟

پھر زندگی کے ان مختلف پہلوؤں کے سطحوں کو مزید بلند کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟

کیا وہ ہمارے والدین ہیں؟ یا دوست احباب ہیں، یا خاندان و معاشرہ ہے، یا ذرائع ابلاغ اور وسائل اعلام ہیں؟

یا بنیادی طور پر اس اہمیت کے حامل کام کا ذمہ دار خود انسان ہی ہے؟

پھر اس تربیت کے جوانب کیا اور اقسام و انواع کیا ہیں؟

اور دنیا و آخرت میں اس کے ثمرات و آثار اور نتائج کیا ہیں؟

اس جیسے بہت سارے سوال ہیں جن کے جواب اللہ کی توفیق سے آئندہ سطور میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولف کتاب

عبداللہ بن عبدالعزیز العیدان

تربیت نفس کا مقصد

کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تربیت نفس کا مقصد کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ مختلف تربیتی اسلوب ہیں جن کی ایک مسلمان - مرد ہو یا عورت - اپنے آپ کو علمی، ایمانی، اخلاقی اور اجتماعی پہلوؤں سے ایک مکمل اسلامی شخصیت میں ڈھالنے کی ہدایت و رہنمائی کرتا ہے اور اسے بشری کمال کی سب سے اونچی سیڑھیوں میں پہنچاتا ہے۔ یاد دوسرے لفظوں میں انسان کا اپنے نفس و ذات کی مختلف اسالیب کے تحت اور تمام پہلوؤں سے تربیت کرنا ہے۔

اور اس معنی میں یہ تربیت اجتماعی تربیت کے روبرو ہوتی ہے، یا ان عام میدانوں کا سامنا کرتی ہے کہ جن پر ایک انسان عملاً چل رہا ہے اور وہ ان میدانوں میں دوسروں کا شریک کار ہے، یا وہ ان میں ان کے ساتھ نشوونما پا رہا ہے، مثلاً مسجد، مدرسہ، خاندان، ذرائع ابلاغ و وسائل اعلام، صحبت و رفاقت، سفرو زیارت وغیرہ متعدد سرگرمیاں اور عمومی پروگرام۔

ذاتی تربیت کی اہمیت

ذاتی تربیت کے اسلوب اور ایک مسلمان پر اس کے دنیا و آخرت میں اثرات و نتائج پر گفتگو سے قبل یہ مناسب ہے کہ ہم اس کی اہمیت اور ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کی حاجت و ضرورت کے بارے میں بیان کریں، تاکہ یہ ہمارے لئے اس پر کار بند ہونے اور اس کی پابندی کرنے کا سب سے بڑا باعث و محرک بنے اور خصوصاً اس دور میں۔

ذاتی تربیت کی اہمیت درج ذیل اسباب سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے:

اولاً: جان کی حفاظت دوسری تمام باتوں پر مقدم ہے:

ایک مسلمان کی اپنے نفس کی تربیت اللہ تعالیٰ کے عذاب اور جہنم سے اس کی حفاظت و بچاؤ

کا سبب ہے۔ اور بلاشبہ اپنی جان کی حفاظت دوسرے تمام جانوں کی حفاظت سے مطلقاً مقدم ہوتی ہے جیسا کہ ایک انسان اس وقت کرتا ہے جب اس کے گھر میں یا کسی دوسرے مکان میں آگ لگ جائے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان بچانے کی فکر کرتا ہے، اس کے بعد دوسروں کے جان کی۔ اس حقیقت کی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تائید کرتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحریم: ۶) ”اے ایمان والو! تم اپنے نفس کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر“۔ اور بقول علامہ عبدالرحمن ناصر السعدی رحمہ اللہ نفس کو بچانے کا معنی یہ ہے کہ ”نفس کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب کا پابند بنایا جائے اور ہر اس بات سے توبہ کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور اس کے عذاب کا موجب ہو“۔ یہی ذاتی تربیت کا معنی و مفہوم ہے اور یہی اس کی غرض و غایت۔ (تیسیر الرحمن فی تفسیر کلام المنان: ص ۸۰۹)

ثانیاً: اگر آپ خود اپنے نفس کی تربیت نہ کریں تو پھر آپ کی تربیت کون کرے گا؟

کون آدمی کی تربیت کرے جب وہ اپنی عمر کی پندرہویں، یا بیسویں، یا تیسویں، یا اس سے زیادہ کی بہار کو دیکھ لے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب خود اپنے نفس کی تربیت نہ کرے تو کوئی بھی شخص اس کی تربیت نہیں کر سکتا، اور نہ اس پر کوئی اپنا اثر ڈال ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے والدین خصوصاً اور تمام لوگ عموماً یہ سمجھ لیتے ہیں کہ لڑکا اب بڑا ہو چکا ہے اور وہ اپنے نفس کے مصالح سے زیادہ واقف ہو چکا ہے، یا وہ لوگ اب اس سے بے پروا ہو کر دنیوی امور میں مشغول ہو گئے ہیں جو اس کے طاعت کے موقعوں اور خیر کے مناسبتوں کے ضائع ہونے کا سبب ہے، اگر وہ بذات خود اپنے نفس کی تربیت کا بیڑا نہ اٹھائے، اس کا وقت گزرتا چلا جائے گا، اس کی عمر ضائع ہوتی رہے گی اور وہ اپنی کمی کا تدارک و تلافی نہیں کر سکے گا، یا وہ کمال

بشری کی تک و دو کرے گا جو اس سے فوت ہو چکا ہے اور موت کی گھڑیوں میں کفِ افسوس لے گا اور تغابن (ہارجیت) کے دن بھی: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ (التغابن: ۹) ”جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا وہی دن ہے ہارجیت کا“۔

ثالثاً: حساب و کتاب انفرادی طور پر ہوگا:

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروز قیامت بندوں کا حساب و کتاب انفرادی طور پر ہوگا، اجتماعی طور پر نہیں۔ یعنی ہر انسان اپنے نفس اور اپنے تمام اچھے و برے عمل و تصرف کا ذمہ دار خود ہوگا اور تنہا اس سے ہی ان اعمال کا حساب لیا جائے گا خواہ وہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کے ان عملوں کے ارتکاب میں، یا ان میں کوتاہی و اہمال میں، یا اس کے انحراف و گمراہی میں دوسرے لوگ سبب رہے ہیں اور اس کے اس زعمِ باطل کے مطابق اس کے ساتھ ان لوگوں کا بھی محاسبہ ہونا چاہئے! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا﴾ (مریم: ۹۵) ”یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں“۔ نیز ارشادِ باری ہے: ﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا، اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ (الإسراء: ۱۴) ”ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پالے گا۔ لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے، آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے“۔ اور حدیثِ پاک میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيَكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ﴾ ”تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس کا رب

اس سے ہمکلام ہوگا اور اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ لہذا جس نے اپنے نفس کی حقیقی معنی میں تربیت کی ہوگی اللہ کے اذن سے اس کے حساب میں تخفیف ہوگی اور اس کی رحمت کے سبب وہ عذاب سے نجات پا جائے گا۔

رابعاً: اصلاح نفس پر سب سے بڑا قادر:

کوئی بھی انسان عیوب و نقائص سے پاک نہیں ہے، یا کوئی شخص بھی کوتاہی و گناہ کے ارتکاب سے چاہے کم ہو یا زیادہ، خالی نہیں ہے۔ جب یہ ایک قطعی امر ہے تو ان پہلوؤں کا علاج اور اول امر میں، یا پانی سر سے اونچا ہو جانے سے قبل ہی اس کی اصلاح کی سخت حاجت و ضرورت ہوگی۔ اور کوئی بھی انسان اپنی غلطیوں کی اصلاح، یا اپنے عیوب کا علاج و تدارک کامل اور مستقل طور پر نہیں کر سکتا، الا یہ کہ ذاتی تربیت کے راستہ سے اس مہم جوئی کا بیڑا اٹھائے، کیونکہ وہ اپنے نفس کے احوال کا سب سے زیادہ جانکار اور اس کے پوشیدہ راز و اسرار سے زیادہ واقف ہے، لہذا اگر وہ خود اپنی تربیت کرنا چاہے تو نفس کو قابو و کنٹرول کر کے متعین طریق، اچھے سلوک و برتاؤ اور مفید سرگرمی و حرکت اور عمل کی جانب موڑ سکتا ہے۔

خامساً: ثبات و استقامت کا وسیلہ و ذریعہ:

کیونکہ تربیت ہی ایک مسلمان کے ایمان و ہدایت کے طریقہ پر باذن الہی زندگی کے آخری سانسوں تک ثابت قدم رکھنے کا اولین سبب و ذریعہ ہے۔ اور یہی ان فتنوں اور ورغلانے والی باتوں کے مقابلہ کا دفاعی خط ہے جو دور حاضر میں ایک مسلمان پر منڈلا رہی ہیں اور اسے انحراف و انحطاط، ضعف و گنہگمی، یا مستقبل میں خوف کا شعور و احساس اور عصر حاضر کے حقائق سے نچلی سطح تک گر جانے پر شدت کے ساتھ ورغلا رہی ہیں۔ اور اس پہلو سے ذاتی تربیت کی مثال ایک درخت کی سی ہے کہ جتنا زیادہ اس کی جڑیں زمین میں پھیلتی جائیں گی

اتنا ہی وہ آندھیوں اور بگولوں کے آگے ڈٹ کر ثابت رہ سکے گا۔

سادساً: تربیت ہی دعوت کی سب سے بڑی مؤثر چیز ہے:

در اصل ہر مسلمان مرد و عورت کو ایک داعی کا رول ادا کرنا چاہئے، جو اصلاح کرے، تعلیم دے، رہنمائی کرے اور اپنے علم و قدرت کے مطابق تربیت کرے۔ اس سبب سے کہ وہ اپنے وپرائے لوگوں میں مقبول ہے اور ان کی زندگی میں اصلاح و تاثیر پر قدرت رکھتا ہے، اس لئے وہ طاقتور زاد سفر اور کارگر ہتھیار کا سخت احتیاج مند ہے۔ اور ان کی دعوت اور قبولیت میں اس سے زیادہ گہرا اثر انداز شی اور کوئی نہیں ہے کہ ایک انسان لوگوں کے لئے نیک قدم بن جائے اور اپنے ایمان، علم اور اخلاق میں ممتاز ترین اسوہ ثابت ہو۔ اور فقط کثرت تقریر و خطبہ اسے اس مثالی قدم اور عوام میں کافی طاقتور اثر ڈالنے کے درجہ پر فائز نہیں کر سکتے، بلکہ ایک داعیہ کے اندر یہ خوبی اس کی حقیقی ذاتی تربیت ہی پیدا کر سکتی ہے۔

سابعاً: اصلاح احوال کا صحیح طریقہ:

کیا مسلمانوں میں ایک بھی ایسا شخص موجود ہے جو امت اسلامیہ کی تمام پہلوؤں سے حالت زار کا، خواہ وہ دینی حالت ہو، یا اقتصادی، سیاسی حالت ہو یا ذرائع ابلاغی اور یا اجتماعی حالت ہو، شاکی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے! لیکن آپ کے خیال میں اس کڑوی صورت حال کی اصلاح کا کیا طریقہ ہے جس سے آج امت اسلامیہ دوچار ہے؟ اور اس کے علاج کے لئے صحیح سمت پر چلنے کا محفوظ و صحیح اقدام کیا ہے؟ کیا وہ صرف شکوہ و شکایت کا طریقہ اور لاجول پڑھنا رہ گیا ہے؟ یا مختصر لفظوں میں - اپنی جدوجہد اور دیگر وسائل کو ترک کئے بغیر - ذاتی تربیت سے اس اصلاح کا آغاز ہوتا ہے۔ جب تمام افراد خواہ مرد ہوں یا عورت اس مہم جوئی کا بیڑا احسن پیرائے اور پوری جامعیت و توازن کے ساتھ اٹھالے، کیونکہ جب فرد کی اصلاح

ہوگی تو باذن اللہ خاندان کی اصلاح ہو جائے گی اور پھر اس طریقہ سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی جائے گی، تو پھر رفتہ رفتہ پوری امت اسلامیہ کے حالات سدھرتے و بدلتے چلے جائیں گے۔

ثامناً: اس تربیت کے امتیاز و تفوق کے لئے:

اور اخیر میں تربیت کی اہمیت اس پر کار بند ہونے کی سہولت و آسانی، اس کے اسلوب کے تنوع و تعدد اور ہر حال، ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ایک مسلمان کو دستیاب ہونے کے سبب ظاہر ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس کی مزید وضاحت بعد کے سطور میں آئے گی، بخلاف عمومی تربیت کے کہ جس کے متعین اوقات اور مخصوص مکان ہوتے ہیں۔

تربیت سے غفلت و لاپرواہی کے اسباب

اس کے باوجود کہ مذکورہ حیثیات ہر مسلمان مرد و عورت کے سامنے ذاتی تربیت کی اہمیت مزید موکد و بڑھادیتی ہیں، مگر آج کے حالات کے تناظر میں کہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت اپنی زندگی کے متعدد جوانب میں زندگی بسر کرتی ہے، ہم اس تربیت کی جانب ان کی کھلی غفلت و اہمال دیکھ رہے ہیں اور ان کی وہ توجہ و اہتمام نہیں پاتے جس کا وہ مستحق ہے۔

جب ہم اس غفلت و لاپرواہی کے اسباب کی تلاش و جستجو کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ اس کے کئی اسباب ہیں، جن میں:

اول: قلت علم و معرفت:

بہت سارے مسلمانوں کی کتاب و سنت میں واردان نصوص سے جہالت و عدم واقفیت جو اس تربیت کی ترغیب اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور ان کی اعمال صالحہ کے فضائل اور اجر عظیم اور ثواب وافر کی قلت معرفت، اسی طرح ان کے اپنے نفس اور دنیا و آخرت میں ان کی زندگی پر اچھے اثرات کے بارے میں قلت بیداری اور دوسری جانب شیطان کی عداوت و دشمنی کے

بارے میں ان کی ناواقفیت و جہالت جو ہر طریقہ و اسلوب سے ان کو خیر و طاعت کے کاموں سے تھکیاں دے کر سلا دے رہا ہے۔ یہ سب تربیت نفس کے مطلوب اصلاح میں غفلت و لاپرواہی کے اسباب ہیں۔

دوم: غرض و غایت کا مبہم اور غیر واضح ہونا:

ایک مسلمان کو اپنے نفس کی تربیت پر جو چیز مددگار ثابت ہوتی ہے اس میں ایک اس کی زندگی و وجود کا مقصد اور غرض و غایت کا بالکل واضح ہونا ہے۔ انسان اللہ کی اطاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ آخرت میں اس جنت کے حصول سے شاد کام ہو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے، بلکہ فردوس بریں سے کامراں ہو۔ اور دنیوی زندگی میں سعادت قلب اور سکون و اطمینان نفس سے فائز المرام ہو۔ البتہ جو شخص بلا غرض و غایت اور بے مقصد کی زندگی گزارے، یا زندگی کا مقصد اس پر مبہم اور غیر واضح ہو اور وہ شکوک و شبہات و عقل پر پردہ پڑا ہونے کا شکار ہو۔ جیسا کہ عصر حاضر کے مسلمانوں کا حال ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مقصد اور مبلغ علم فقط دنیائے دنی اور اس کی خواہشات و شہوات کا حصول ہو، تو پھر وہ کہاں اس بارے میں غور و فکر کر پائے گا، یا اپنے نفس کی تربیت کرنے میں متحمس و سرگرم ہوگا، یا وہ جس کدو کاوش، محنت و مشقت اور استمرار عمل کا محتاج ہے اس پر وہ کہاں صبر کر پائے گا۔

ثالثاً: دنیا سے تعلق اور اس سے چمٹے رہنا:

شاید بعض لوگوں پر وہ فضائل اور اجر و ثواب پوشیدہ نہیں ہیں اور وہ اس دنیوی زندگی کی حقیقی غرض و غایت کا ادراک رکھتا ہے، لیکن اس کو اپنی تربیت نفس سے اس کا قلبی اور جسمانی تعلق مانع ہے جس نے اس کی جدوجہد، وقت اور سوچ کو اس سے سلب کر لیا ہے جو اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی تربیت کرنے سے معذور و مجبور ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وہم

وخیال میں اس سے بہتر و اہم کام میں مشغول ہے، مثلاً لقمہ عیش کی تلاش، اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ و مامون بنانے میں کوشاں ہے، یا مال کے عشق و محبت اور زیادہ نفع کمانے، یا اپنے لہو و لعب اور لذتوں و خواہشوں میں مشغول ہے۔

رابعاً: تربیت کا غلط مفہوم:

تربیت کے حقیقی معنی، اس کے وسائل و ذرائع اور اغراض و مقاصد کا غلط مفہوم بعض مسلمانوں کو اپنے نفس اور اس کی تربیت پر توجہ دینے سے مانع ہے کہ کیونکہ اس کے اپنے زعم میں تربیت اعمال اپنانے میں زندگی اور لوگوں سے ایک قسم کٹ جانے اور ان سے مکمل گوشہ نشین ہو جانے کا خدشہ ہے، یا اس کے خیال میں یہ تربیت اس کے اوقات اور جدوجہد کا بڑا حصہ لے لے گا اور حیات کے اساسی و بنیادی ضروریات سے متصادم ہو جائے گی، یا اسے سرے سے تربیت کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے، کیونکہ بحمد اللہ وہ مسلمان ہے اور اپنے دین کے اہم واجبات و فرائض کو بخوبی ادا کر رہا ہے اور یہ ان سارے طاعات اور دیگر عبادات میں مستغرق ہونے کے مقابلہ میں کافی ہے جن کا التزام کوئی ضروری نہیں۔

خامساً: اچھی تربیت گاہوں کی قلت:

انسان جس ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے اس کا اس کی زندگی پر ایجابی ہو یا سلبی بڑا دور رس اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ گھر، سڑک، دوست، مدرسہ، بازار اور آڈیو ویڈیو اور رسائل و جرائد جیسے ذرائع ابلاغ و وسائل اعلام یہ سب انسان کے سوچ، اہتمام اور سلوک و برتاؤ پر قوی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہذا اگر تربیت گاہ اور خاص طور سے گھر کا ماحول نیک ہو اور اللہ کی ہدایت پر گامزن ہو تو فرد کی استقامت، تزکیہ نفس اور تربیت کے اہتمام پر معاون ہوتا ہے اور ان تربیت گاہوں کے وجود کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ تربیت گاہ بڑا افسوس

کا مقام ہے کہ ناکامی و بزدلی اور ذلت و رسوائی کا بڑا وسیلہ بن جاتی ہیں اور عروج و ترقی اور اصلاح و تغیر کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر ہم آج کے ان ترہیت گاہوں پر نظر دوڑائیں تو پائیں گے کہ ان کی اکثریت ان کے انحراف و برے حال، یا ضعف و گھٹیا پن کے سبب اس درجہ و سطح پر پوری نہیں اتر رہی ہے جو ترہیت و استقامت پر معاون ثابت ہو سکے۔

سادساً: مریوں کا خال خال وجود:

یہ مسلم ہے کہ ایک انسان بچپن سے لے کر بلوغت اور بڑا ہونے یہاں تک کہ موت تک اپنی حیات کے مختلف مراحل میں رہنمائی، تعلیم اور ترہیت کا سخت محتاج ہوتا ہے، اور یہ درست نہیں ہے کہ یہ بچپن یا جوانی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ہمارے بعض بھائی کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر یہ ترہیت اور یہ رہنمائی ضروری نہیں ہے کہ ایک معین طرز، یا مخصوص اسلوب میں ہو، ہرگز نہیں! اس کی نوعیت وقت، عمر اور حالات کے تقاضوں کے تحت مختلف اسلوب اور متعدد طرق سے بدل سکتی ہے۔

اور جب یہ معلوم ہے کہ انسان کا مربی اول باپ ہوتا ہے اور مربی دوم معلم و استاذ ہوتا ہے، قریب ہے کہ آج کے معاشرہ میں ایک سبب یا دیگر اسباب سے وہ اپنا مطلوب تربیتی رول کھودیں، علاوہ ازیں خیر خواہ دوست اور رہنما برادر بھی ناپید ہیں، اس وقت ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان مرد و عورت کو خود اپنی تربیتی مہم جوئی کا بیڑا اٹھانے اور اپنے والدین، استاذ و دوست کے اس کھوئے ہوئے رول کو ادا کرنے کی کتنی سخت ضرورت ہے جو گزر چکے ہیں، یا اپنی تربیتی ذمہ داری اور برادرانہ فرائض ادا کرنے میں کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔

سابعاً: طویل امید و بیم کا شعور و احساس:

یہ لاعلاج بیمار شعور و احساس جو بہت سارے مسلمانوں کے دل و دماغ میں سرایت کئے ہوا

ہے، یہ ایک مسلمان کو ان دونوں باتوں کے درمیان متحیر و متردد بنا دیتا ہے کہ وہ اپنی تزکیہ نفس اور تربیت پر اقدام کرے اور تمام طاعات اور اعمال صالحہ کو اختیار کر لے، یا اس تربیت سے مذکورہ شیطانی شعور و احساس کے سبب روگردانی کرے جو اسے ہر مرتبہ جب وہ اپنی کسی نیک کے منصوبہ کو شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے: تربیت نفس اور اطاعت الہی کی ابھی کیا جلدی پڑی ہے، ابھی حیات و عمر بہت باقی و لمبی ہے! کچھ وقت تک کے لئے انتظار کرو یہاں تک کہ سعادت مند گھڑی اور غم و فکر سے فارغ وقت آجائے جو تمہیں مناسب فرصت اور تربیت نفس اور اس کے اہتمام کا مضبوط عزیمت کا مناسب وقت میسر آجائے۔ اس خطرناک شعور و احساس کے ساتھ ہمیشہ اس کا یہی حال رہتا ہے یہاں تک کہ ایک کی عمر گزر جاتی ہے اور حیات کے مہ و سال کٹ جاتے ہیں اور حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تربیت نفس و اصلاح کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا ہوا ہوتا ہے۔

ثامناً: راحت پسندی اور کام چوری کا میلان:

بہت سارے مسلمان اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ اس کے احوال درست ہو جائیں اور اس کی زندگی راہ مستقیم پر چل پڑے اور وہ تقویٰ و ایمان اور صلاح و استقامت میں بہترین انسان بن جائے! لیکن اسے اس بات سے روکتی ہے اور اسے ایسا محروم قسمت بنا دیتی ہے جو آج اکثریت کے یہاں ایک مشہود واقعہ بن چکا ہے اس کے نفس میں ودیعت سستی و کمزوری، راحت و آرام پسندی، مجاہدہ نفس سے بے رغبتی اور اسے اللہ سے ملاقات کے وقت خیر و بقا کے کاموں میں عدم تکان اور کام چوری ہے۔ اس آفت و بیماری کے سبب اس کے اور اس جیسے دیگر افراد کے کتنے فضیلت والے مواقع اور قیمتی فرصت اور اعمال صالحہ ضائع ہو گئے، کیونکہ اس کا نفس ضعیف و کمزور اور اس کا شیطان اس پر غالب آچکا ہے۔

ذاتی تربیت کے اسلوب

ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ہمارے لئے اپنی رضا و محبت اور جنت کے حصول اور خاص کر ایک مسلمان کے اپنے نفس کی تربیت و تزکیہ کے بہت سارے دروازے اور متعدد طریقے آسان فرمادیئے ہیں، تاکہ مسلمان مرد و عورت میں سے ہر ایک ان دروازوں اور طریقوں میں سے وہ بات اختیار کر لے جس کی اس کا نفس طاقت رکھتا ہے اور اس کی جرات و ہمت بلند ہوتی ہے۔

ذاتی تربیت کے اسلوب بہت زیادہ ہیں جن میں ایک:

پہلا اسلوب: محاسبہ نفس:

مشہور داعی شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر کوئی انسان اس دنیوی زندگی میں بلا کسی نگران و محاسب کے اپنے من پسند طریقہ پر تصرف کرے تو اس کے لئے اپنی کوتاہی و حماقت کے باوجود جائز ہوگا کہ اپنی زندگی کو شکست و ریخت کا شکار بنا دے جیسے ایک جاہل اپنے مال میں بے ہنگم تصرف کرتا ہے تو پھر کیا یہ ممکن ہے جبکہ اللہ کے محافظین ملائکہ ہیں جو ہر چھوٹی بڑی شئی کو لکھتے رہتے ہیں اور اس کی ذرہ برابر شئی کا بھی ریکارڈ رکھتے ہیں۔“

اور جب معاملہ اس کے برعکس ہے تو ایک مسلمان کے یہاں عقل و حکمت کی بات یہ ہے جبکہ وہ اپنے نفس کی تربیت کا پختہ عزم کئے ہوا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے پچھلے تمام خیر و شر کا محاسبہ کرے اور اپنی نیکیوں کی چھان بین کرے اور اپنی برائیوں کو چھانٹے، تاکہ بلا توقع وہ یوم موعود اچانک نہ آجائے جسے وہ یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ خیر پر قائم ہے اور وہ صالحین متقین میں سے ہے!!

ارشادِ بانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر: ۱۸) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ بھیجا ہے“۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی

تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی اپنے نفس کا محاسبہ کر لو قبل ازیں کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور دیکھ بھال لو کہ تم نے اپنے نفس کے لئے کیا اعمال صالحہ کا ذخیرہ اپنے معاد اور رب کے یہاں پیشی کے دن کے لئے جمع کر رکھا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال و احوال سے باخبر ہے اور اس پر تمہاری کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے۔“ اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ﴿الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ الْأَمَانِي﴾ (ترمذی: ۲۴۵۹، حسن) ”زیرک وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو غلام بنا کر رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے اور عاجز وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کا غلام بنا لے اور اللہ تعالیٰ پر بے جا امیدیں لگائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔“ اور فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور و معروف حکمت بھری باتوں میں فرمایا: ”تم اپنے نفس کا محاسبہ کرو ازیں قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اپنے نفس کو تولو اس سے قبل کہ تمہیں تولا جائے، کیونکہ کل کے حساب کے مقابلہ میں آج کا تمہارا نفس کا محاسبہ آسان ترین ہے، اور پیشی اکبر کے لئے خود کو سنوار لو جس دن تمہاری پیشی ہوگی تو تمہاری کوئی بھی بات مخفی نہ رہے گی۔“

حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”بندہ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہے گا جب تک اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا رہے گا اور اپنے قصد و ارادہ سے اپنا محاسبہ کرتا رہے گا۔“ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پہلو پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ”مکلف انسان پر ضرر رساں ترین بات: اہمال، ترک محاسبہ، کھلی چھوٹ اور حرام امور کو سہل تر بنا کر گزرنا، یقیناً یہ سب اسے ہلاکت کے گھاٹ تک پہنچادے گا۔ اور یہی فریب خوردہ لوگوں کا حال ہے، ان میں کا ایک فرد انجام و عواقب سے اپنی آنکھ موند لیتا ہے اور اپنے حال پر چلتا رہتا ہے اور رب کے غنمو

و درگزر پر بے جا بھروسہ کر لیتا ہے! اس طرح وہ اپنے نفس کا محاسبہ اور انجام پر غور و فکر کرنا چھوڑ بیٹھتا ہے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اس پر گناہ و معصیت میں ملوث ہونا آسان تر ہو جائے گا، معصیت کا مانوس و دلدادہ ہو جائے گا اور اسے ترک کرنا اس پر دشوار تر ہو جائے گا۔“

تربیت نفس کے اس پہلو کی اسی اہمیت کے سبب شاید بعض خطوط و معالم پر تنبیہ کر دینا مناسب ہوگا، ان میں سے ایک:

۱۔ دورانی محاسبہ کی ضرورت:

اپنے نفس کی تربیت میں کوشاں مسلمان اپنی حیات کی جزئیات میں چھان بین اور تحقیق کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے اپنے نفس کے محاسبہ کی کوشش کرتا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ کون سے صحیح اور درست افکار کا حامل ہے جنہیں وہ مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور انہیں ترقی دے اور اس کے پاس کون سے نیک اعمال ہیں کہ جنہیں وہ پوری قوت کے ساتھ پکڑیں رہیں اور ان کو برابر انجام دیتے رہیں۔ اور کون سے نقص و کوتاہی اور مخلوط علمی و عملی گناہ و معصیت ہیں جن سے وہ اجتناب کریں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ محاسبہ کے ایک طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اور فائدہ مند طریقوں میں ایک یہ ہے کہ انسان جب سونے کا ارادہ کرے تو کچھ وقت کے لئے اپنے نفس کا محاسبہ کے لئے بیٹھے جس میں وہ یہ محاسبہ کرے کہ دن بھر میں کتنا فائدہ کیا ہے اور کتنا نقصان اٹھایا ہے، پھر وہ اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان توبہ نصوح کی تجدید کرے اور اس توبہ کی حالت میں سو جائے اور یہ عزم مصمم کرے کہ جب وہ بیدار ہوگا تو دوبارہ وہ گناہ نہیں کرے گا، ایسا ہر رات کرے، تاکہ اگر اس رات اس کی موت ہو جائے تو توبہ پر اس کی موت ہو اور اگر بیدار ہو جائے تو وہ آئندہ عمل کا استقبال کرتے ہوئے اور اپنی موت میں تاخیر سے مسرور ہو کر بیدار ہوگا، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کریم سے ملے اور اپنے مافات کی تلافی کرے۔ (الروح لابن القیم: ۷۹)۔“

۲۔ اہم در اہم کو ترجیح و اولیت:

سب سے پہلے ایک انسان اپنے نفس کی جس چیز کا محاسبہ کرے وہ ہے عقیدہ کی صحت، توحید کی سلامت و درستگی اور شرک کے تمام انواع و اقسام اور خاص طور سے شرک اصغر اور شرک خفی جن سے بکثرت اہمال برتا جاتا ہے وغیرہ عقائد و اعمال سے براءت جو ایمان کے منافی ہیں یا ایمان کو کمزور کرتے ہیں۔ پھر فرائض و واجبات کی ادائیگی جن میں پانچوں نمازوں کی جماعت کے ساتھ ادائیگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، امر بالمعروف والنہی عن المنکر داخل ہیں۔ پھر تمام چھوٹے و بڑے حرام و منکر کاموں سے اجتناب اور پھر تمام سنن اور طاعات کی ادائیگی..... اور..... اور۔

۳۔ محاسبہ کے انواع و اقسام:

بقول علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نفس کے محاسبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم عمل سے قبل اور دوسری قسم عمل کے بعد ہے۔

پہلی قسم: یہ ہے کہ عمل کے عزم و ارادہ سے قبل توقف کرے اور اس میں جلد بازی سے کام نہ لے یہاں تک کہ اس کے لئے اس کام کے کرنے کا پہلو ترک کے پہلو پر غالب آجائے۔

دوسری قسم: عمل کے بعد نفس کا محاسبہ، اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(الف) نفس کا طاعت پر محاسبہ جس میں نفس نے اللہ کے حقوق میں کوتاہی کی اور اسے مناسب صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں کی۔

(ب) نفس کا ہر اس عمل کے بارے میں محاسبہ کرے جس کا ترک عمل سے بہتر ہو۔

(ج) نفس کا مباح یا عادت و رواج کے کاموں پر محاسبہ کرے کہ اسے کیوں کیا؟ اور کیا

اس عمل سے اسے اللہ کی رضا اور دار آخرت مقصود ہے یا فقط دنیوی لذت؟ (اعاشۃ الہفان)۔

۴۔ اوقات کا محاسبہ:

اسی طرح محاسبہ کی صورتوں میں ایک یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے نفس کا اپنے اوقات سے فائدہ اٹھانے کی کیفیت و نوعیت پر محاسبہ کرے جو اس کی عمر اور اس کا راس المال ہے کہ کیا اس نے ان اوقات کو خیر کے کاموں، اعمال صالحہ اور مسلمان کی نفع رسانی میں خرچ کیا ہے؟ یا اس کے برعکس گناہ و معصیت، لہو و لعب اور غفلت و سستی میں ضائع کر دیا ہے! کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: وَمِنْهَا: عَنْ عُمْرِهِ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَا أَبْلَاهُ﴾ (ترمذی) ”بندہ کے قدم بروز قیامت اس وقت تک نہیں ہٹ سکتے جب تک چار باتوں سے متعلق اس کی پرسش نہیں ہو جاتی، ان میں سے ایک اس کی عمر کی بابت کہ اس نے اپنی عمر کس بات میں گنوائی اور اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس نے اسے کس چیز میں ڈھلوا دی۔“

اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم اپنے اوقات کی حفاظت کے انتہائی حریص تھے، کیونکہ وہ ان کی قدر و قیمت کے سب سے بڑے واقف کار تھے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں نے ایسے کچھ لوگوں سے ملنے کا شرف حاصل کیا جو اپنے اوقات کی حفاظت کے اس سے بھی بڑھ کر شدید حریص تھے جتنا تم اپنے دینار و درہم کی حفاظت کے حریص ہو۔“ (الوقت: لیوسف القرضاوی)۔

۵۔ حساب اکبر کی یاد:

ایک مسلمان کے لئے اس کے اپنے محاسبہ کی معین و مددگار باتوں میں ایک اس کا یہ علم و معرفت ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اپنے بندوں سے نہایت ہی دقیق انداز میں حساب لے گا اور ان سے ان کے کئے ہوئے خیر یا شر کے متعلق دریافت کرے گا اور اس دن انسان اپنے اعمال کو پائے گا کہ ان کو جوڑ کر رکھا گیا ہے اور ان میں سے کچھ بھی خواہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو

غائب وضائع نہیں ہوا ہے۔

حسن رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ”ایک مومن اپنے نفس کا نگران و نگہبان ہے، وہ اپنے نفس کا اللہ کی رضا کے لئے محاسبہ کرتا ہے۔ اور بروز قیامت ایک قوم کا حساب و کتاب ہلکا ہوگا کیونکہ انہوں نے دنیا ہی میں اپنے نفسوں کا محاسبہ کیا تھا، اور دیگر قوموں کا حساب و کتاب نہایت سخت ہوگا کیونکہ انہوں نے اس معاملہ کو آسان طور پر بلا محاسبہ لیا تھا۔ (ادب النفوس: للآجری ص ۲۸)۔

دوسرا اسلوب: تمام گناہ و معاصی سے توبہ:

نظری محاسبہ اور انسان کے گناہ و کوتاہیوں کے بعد جیسا کہ علماء نے کہا ہے تخلیہ سے قبل تخلیہ کا نمبر آتا ہے اور وہ اس طرح کہ تمام معاصی، تمام عیوب اور تمام فکری و عملی اور اخلاقی نقائص وغیرہ سے توبہ کیا جائے۔ اور ایک مسلمان کی اللہ کی محتاجگی، اس کا قرب اور اس کی رضا کا شعور و احساس کیا جائے اور یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ اپنے ہر گناہ و کوتاہی اور خامی سے نکل چکا ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”گناہوں سے توبہ میں جلدی فوری طور پر فرض و واجب ہے، تاخیر جائز نہیں۔ لہذا جب تاخیر کرے گا تو تاخیر میں اللہ کی نافرمانی کرے گا۔ اب اگر وہ گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس پر دوسری توبہ رہ جاتی ہے اور وہ ہے تاخیر توبہ سے توبہ! اور یہ کم ہی تائب کے دل میں کھٹکتی ہے! اور اس سے وہ اسی وقت چھٹکارا و خلاصی پاسکتا ہے جب وہ اپنے انجانے اور جانے گناہوں سے عمومی توبہ کر لے“۔ (مدارج السالکین ۱/۲۷۲)۔

نیز جس طرح اہل معاصی اور گناہگار لوگ توبہ اور رجوع الی اللہ کا محتاج ہے اسی طرح اہل طاعت و استقامت بھی اس کا محتاج ہے۔ لہذا ان میں سے جو شخص بھی یہ خیال کرے کہ اس کے یہاں ایسی کوئی بات نہیں کہ جس سے وہ توبہ کرے، یا وہ یہ سمجھے کہ وہ توبہ سے مستغنی و بے نیاز

ہے تو اس نے لغزش کھائی ہے! اور غرور نے اسے راہ حق سے دور پھینک دیا ہے اور وہ اپنے نامراد کمال نفسی کے جال کا شکار ہو چکا ہے جو اس کے دشمن شیطان نے اس کے کان میں پھونکا ہے تاکہ وہ گناہ و معصیت اور جرم و تقصیر کے دلدل میں گرتا چلا جائے۔ آغا زاس کے قلب کے اس گناہ کبیرہ سے ہو اور دوسرے تمام گناہ و معاصی میں گرفتار ہوتا چلا جائے جس کی کوئی انتہا و کنارہ نہ ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ”جو بندہ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں کے درمیان گھرا ہوا سے شکر گزاری کی احتیاج ہے اور جو گناہوں میں لٹ پٹ ہو اسے توبہ و استغفار کی ضرورت ہے اور یہ دونوں باتیں ایک بندہ کے لئے دائمی طور پر لازمی امر ہے، کیونکہ وہ برابر اللہ کی بخششوں اور نعمتوں میں الٹا پلٹتا رہتا ہے اور ہمیشہ توبہ و استغفار کا محتاج رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بنی آدم کے سید و سردار اور متقیوں کے امام محمد ﷺ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا استغفار کیا کرتے تھے“۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۰/۸۸)۔

یہاں سے ہمارے لئے یہ بات مزید موکد ہو جاتی ہے کہ گناہ و معاصی قلوب کے ربط کو اللہ تعالیٰ سے کاٹنے و کمزور کرنے اور اسے خیر و عمل صالح کے ارادہ سے کمزور کرنے اور عمل صالح کرنے اور اس پر مستمر رہنے سے محروم کر دینے کے بڑے اسباب میں سے ایک ہے۔ اور اس کی نمایاں دلیل وہ بات ہے جو ہم اس مسلمان کی جو معاصی میں گرفتار ہے، اپنے نفس کی کامل ایمانی و علمی تربیت سے کمزوری کا مشاہدہ کر رہے ہیں، بلکہ شاید اس سلسلہ میں وہ کبھی مطلقاً غور و فکر ہی نہیں کرتا، حالانکہ وہ اس کا شدید محتاج ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَيَّ
اللَّهُ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ (التحریم: ۸) ”اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ
کرو“۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ

مُسِيءَ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءَ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا ﴿﴾ ”اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کے وقت پھیلاتا ہے تاکہ دن کے خطا کار کی توبہ قبول کرے اور اپنا ہاتھ دن کے وقت بڑھاتا ہے تاکہ رات کے گنہگار کی توبہ قبول کرے، یہاں تک کہ سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہونے لگے“۔ (مسلم)، نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ ”اور میں دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں“ اور ایک روایت میں ہے کہ: ”ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں“۔ (مسلم، بخاری)۔

اور یہاں تک کہ یہ وسیلہ نفس کے اندر اپنا تربیتی اثر و نشان برپا و ثابت کر دے، ہم بعض توجیہات و ارشادات کی طرف نگاہ تنبیہ مرکوز کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، ان میں سے:

۱۔ گناہ و معاصی کی حقیقت:

یہ ضروری ہے کہ آج کے دور میں بہت سارے مسلمانوں کے ذہنوں میں رائج مفہوم کی اصلاح کریں اور وہ یہ ہے کہ گناہ فقط منکرات کا ارتکاب ہے مثلاً چوری، زنا کاری، غیبت اور اس جیسے دیگر معاصی۔ حالانکہ یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ یہ بات بھی گناہ و معصیت ہے کہ شرعی واجبات کو بجانہ لایا جائے، یا ان میں کوتاہی برتی جائے کہ کامل طریقہ ادا نہ کیا جائے، مثلاً نماز کی اس کے اوقات میں ادائیگی میں غفلت و اہمال برتنا، یا جماعت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے میں سستی و تکاسلی کا مظاہرہ کرنا، یا خشوع و خضوع میں کمزوری دکھانا، یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجانہ لانا، یا دعوت الی اللہ میں اہمال برتنا، یا معاملات اور احوال مسلمین کا اہتمام نہ کرنا وغیرہ فراغ و واجبات جنہیں اکثر بھلا دیا جاتا ہے۔

نیز بڑے گناہ و معاصی میں سے جو اعضاء و جوارح کے گناہوں سے بھی بڑھ کر شدید

ہیں وہ قلوب کے گناہ و معاصی ہیں مثلاً حسد، تکبر، غرور نفس، عُجب و خود پسندی وغیرہ۔ اور یہ سارے گناہ سچی و خالص توبہ جسے توبہ نصوص کہتے ہیں، کا محتاج ہیں۔

۲۔ توبہ کے شرائط:

اور بقول امام ابن کثیر رحمہ اللہ ”توبہ نصوص کہتے ہیں اس پختہ اور سچی توبہ کو جو ماقبل کے تمام گناہ و معاصی پر خط نسیخ پھیر دے اور آدمی کو ہر قسم کے گھٹیا و نیچ عمل سے روک دے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ حال کے تمام گناہوں سے دستبرداری اختیار کی جائے اور ماضی کے تمام گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور مستقبل میں دوبارہ نہ کرنے کا عزم مصمم کیا جائے۔“ (تفسیر ابن کثیر ۴/۴۱۸)۔

۳۔ تمام گناہ و معاصی جرم ہیں:

ایک پکے ایمان اور اللہ سے سچی خشیت و خوف والے مسلمان کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ما بین کہ جس سے توبہ کرنا واجب ہے اور صغیرہ گناہ کے درمیان جس سے تساہل برتنے کی گنجائش ہے، کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا تمام گناہ و معصیت اس کے نزدیک اللہ کے حق میں جرم و خطا ہوتے ہیں جیسا کہ کسی سلف نے ارشاد فرمایا: ”گناہ کے چھوٹا پن کو نہ دیکھو بلکہ اس پر نظر رکھو کہ کس بڑے اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو“۔ پھر بہت سارے کبیرہ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو توبہ و صدق رجوع الی اللہ صغیرہ بنا دیتے و مٹا دیتے ہیں اور بہت سارے صغیرہ گناہوں کو مسلسل اصرار و تساہل کبیرہ بنا ڈالتے ہیں۔ اس کی مصداق سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الدُّنُوبِ، فَإِنَّمَا مَثَلُ مُحَقَّرَاتِ الدُّنُوبِ كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا بَطْنَ وَاِدٍ، فَجَاءَ ذَا بَعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بَعُودٍ حَتَّى حَمَلُوا مَا أَنْصَحُوا بِهِ خُبْرَهُمْ، وَإِنَّ مُحَقَّرَاتِ الدُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذُ بِهَا

صَاحِبُهَا تَهْلِكُ ﴿﴾ ”تم خود کو معمولی و حقیر گناہوں سے بچاؤ، معمولی و حقیر گناہوں کی مثال اس قوم کی سی ہے جو کسی وادی کے لطن میں پڑاؤ ڈالے۔ چنانچہ ایک آدمی لکڑی لے کر آیا، دوسرا شخص بھی لکڑی لایا، یہاں تک کہ وہ اتنی لکڑیاں اٹھالائے جن سے ان کی روٹیاں پکائی جاسکیں۔ اور یاد رکھو کہ جب چھوٹے و معمولی گناہوں کا آدمی سے مواخذہ ہونے لگے گا تو وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گا“۔ (احمد: ۵/۳۳۱)۔

۴۔ فوری و عاجلانہ سزا و عقوبت:

گنہگار جن گناہوں سے تائب نہیں ہوتا اس کو آخرت سے قبل دنیا ہی میں ان کو فوری سزا و عقوبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے گرچہ یہ سزا و عقوبت آنے میں کچھ عرصہ تاخیر ہو جائے! اور ہمیں اس بات کو اس وقت محسوس کر لینا چاہئے جب ہمیں کوئی بھی مصیبت خواہ ہمارے نفس یا مال یا اہل و عیال یا کام و عمل میں لگے اور خواہ وہ مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی اس معاملہ میں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی پراز حکمت قول کو یاد کرتے ہوئے جس میں انہوں نے فرمایا: ”جب میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اسے میں اپنی اہلیہ اور سواری کے جانور کے سلوک و برتاؤ میں جان لیتا ہوں“۔ اس سے ایک مسلمان کی عقل و خرد کی زیادتی ظاہر ہو جاتی ہے جب وہ ہر وقت و ہر حال میں توبہ و استغفار کی کثرت اس لئے کرتا ہے، تاکہ شاید اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے معاف کر دے اور آخرت میں اس سے مواخذہ نہ فرمائے۔

۵۔ اور ہمارے دشمنوں کا ایک فریب و چال:

شاید ہمیں اس مقام پر ہر مسلمان مرد و عورت کو اس بات کی تنبیہ کرنے کی حاجت و ضرورت نہیں کہ شیطان اپنے مکر و فریب کے ساتھ ہمارے میں تعاقب میں ہے اور اپنے تمام تر وسائل و ذرائع کے ساتھ ہمیں فریب دینے میں جٹا ہوا ہے اور ان میں سے ایک اس کا یہ حرص

و آرز ہے کہ ہم میں کسی کو بہت ساری دلیل و حجت سے توبہ کرنے میں دیر کرادے اور اللہ کی طرف رجوع میں ٹال مٹول کراتا رہے جن میں ایک بات یہ ہے کہ ابھی تو بہت عمر باقی ہے، ابھی موت بہت دور ہے! لیکن زیرک وہی شخص ہے جو موت آنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کب اس کا بلاوا آجائے؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ گھر سے نکلتا ہے اور گاڑی کے حادثہ کے سبب یا اور کسی دوسرے سبب سے گھر نہیں لوٹ پاتا۔ کبھی انسان سوتا ہے اور پھر بیدار ہونے کی نوبت نہیں آتی، یا اچانک موت کے منہ میں جا گرتا ہے اور وہ اپنے اہل و عیال اور احباب کے درمیان بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور اس وقت کفِ افسوس ملتا ہے لیکن وہ افسوس کا وقت کہاں؟ اس سلسلہ میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو امیدِ مغفرت نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ وہ دنیا سے بلا توبہ کوچ کر جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہوں۔ وہ جھوٹا ہے، کیونکہ اگر وہ حسن ظن رکھتا ہوتا تو نیک و اچھا عمل ضرور کرتا“۔ (الجواب الکافی لابن القیم: ۲۶)۔

تیسرا اسلوب: طلب علم اور معرفت کا دائرہ وسیع کرنا:

طلب علم اور اپنی معرفت میں اضافہ کرنا نفس کی اچھی تربیت اور اس کی صحیح رہنمائی کا اہم طریقہ اور ضروری وسیلہ و ذریعہ ہے، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے نفس کی صحیح تربیت کرنے پر قادر ہو اور وہ حلال و حرام، حق و باطل اور صحیح و غلط عقائد و افکار سے ناواقف و جاہل رہے؟ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”یاد رکھو کہ طلب علم فرض ہے اور یہ مریض دلوں کے لئے شفاء ہے اور ایک بندہ پر سب سے اہم بات جو ضروری ہے وہ یہ کہ وہ اپنے دین کی معرفت حاصل کرے جو معرفت اور دین پر عمل دخول جنت کا سبب ہے“۔ (حاشیہ ثلاثۃ الاصول: ۱۰)۔

ہاں! جس علم سے تربیت نفس حاصل ہوتی ہے وہ شرعی علم ہے جو کتاب و سنت اور فہم سلف

صالحین سے ماخوذ ہو اور جو اللہ کا تقویٰ و مراقبہ اور خوف و خشیت پیدا کرنے والا ہو اور جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری، اس کے احکام و حدود پر دال ہو اور جو جنت لے جانے والا اور جہنم سے دور کرنے والا ہو۔ (ورثۃ الانبیاء لعبد الملک القاسم: ص ۱۱)۔ مزید براں وہ علوم جو تربیت نفس کے معاون اور کامل و ہمہ گیر ہونے کے متعاون ہوں وہ بھی درست ہیں، مثلاً علم نفس و سائیکولوجی، علم اجتماع و سوشیالوجی اور علم تربیت ذات وغیرہ جو مفید عصری علوم ہیں۔

تربیت کے مسئلہ میں علم کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے اور علم و تربیت دونوں آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا کہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کب تک حدیث لکھتے رہیں گے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ”شاید کوئی بات جس سے مجھے نفع حاصل ہوا بھی تک میرے کانوں میں پڑا نہ ہو“۔ اور محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ہمارے پاس سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ گزرے اور آپ اپنے ہاتھ میں اپنے جوتے پکڑے ہوئے تھے اور آپ بغداد کی سڑکوں میں ایک حلقہ علم سے دوسرے حلقہ علم جانے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ تو میرے والد اٹھے اور امام صاحب کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: موت تک!!۔ (شرف اصحاب الحدیث: ص ۶۸)۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ طلب علم تربیت نفس کی صحیح تربیت کا ایک اہم وسیلہ و ذریعہ ہے۔ جہاں تک اس کے طریقوں کا معاملہ ہے تو وہ بہت زیادہ ہیں اور شاید ان میں:

۱۔ ان ہفتہ واری علمی دروس و اسباق میں حاضری کی پابندی کرنا جو علماء کرام مساجد میں قائم کرتے ہیں۔

۲۔ ان علمی و تربیتی لیکچروں میں حاضری جن کا نظم و وقتاً فوقتاً مساجد اور فلاحی اور سوشل

اداروں میں کیا جاتا ہے۔

۳۔ مختلف علوم و فنون پر مشتمل علمی و تہذیبی تعلیم کا حریص ہونا خواہ وہ تہذیبی کتابیں ہوں یا عصری اور اس سلسلہ میں ایک دورانی پروگرام کا نظم کرنا۔

۴۔ علماء، ادباء، مفکرین اور اہل فن مہذب لوگوں کی زیارت کرنا تاکہ ان کے علم و فن اور تجربہ سے استفادہ کیا جاسکے اور ان کے ساتھ علمی و فکری بحث و تحقیق اور گفتگو کا سلسلہ جاری کیا جاسکے۔

۵۔ مختلف علوم و معارف پر مشتمل علمی تقریروں اور لیکچروں کی کیسیٹ سننا۔

۶۔ مملکت سعودی عرب کے ریڈیو سے قرآن کریم نشریات کو باقاعدگی کے ساتھ سننا اور اس کے عمدہ پروگراموں سے استفادہ کرنا۔

۷۔ کمپیوٹر کے ڈسک اور انٹرنیشنل مواصلاتی نیٹ ورک میں متوفر علمی و ثقافتی پروگراموں سے استفادہ کرتے رہنا۔

۸۔ اخبارات و جرائد کے توسط سے عالم اسلامی اور مسلمانوں کے اخبار و احوال سے معلومات حاصل کرتے رہنا۔

۹۔ علماء اور اساتذہ کالجوں، انسٹی ٹیوٹوں اور مدارس میں جو کورس کے دروس و لیکچر دیتے ہیں ان سے بہترین استفادہ کرتے رہنا۔

اور اس ذریعہ و وسیلہ کے تحت بعض ہدایات بھی ہیں جن پر تنبیہ مناسب معلوم ہوتی ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

(الف) طلب علم میں اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ضرورت، تاکہ اللہ اپنے اذن سے اس میں قبولیت و پزیرائی اور نفع و فیض رسائی ڈال دے۔

- (ب) طلب علم اور مختلف وسائل و ذرائع سے ازدیاد معرفت کا ہمیشہ حرص اور تحصیل علم کا سلسلہ منقطع نہ کرنا، خواہ انسان کو کتنی ہی بڑی علمی ڈگریاں حاصل ہو جائیں۔
- (ج) اپنے نفس پر اس علم کی تطبیق اور اس پر عمل، تاکہ ایک مسلمان ایمانی، اخلاقی اور اجتماعی معاملات وغیرہ تمام پہلوؤں سے ایک ممتاز قد وہ واسوہ بن سکے۔
- (د) اس علم کے حقوق اور اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی یعنی دعوت الی اللہ، لوگوں کے مابین اس کی ہر اسلوب و طریقہ اور حکمت و موعظت حسنہ کے ذریعہ نشر و اشاعت اور تعلیم۔

چوتھا اسلوب: اعمالِ ایمانی کی تطبیق:

یہ باعتبار انواع و تعدد طرق سب سے زیادہ، نفس کے تزکیہ اور اس کی اثر پذیری کے سب سے عظیم ہے۔ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے اوامر و احکام کی عملی تطبیق ہے اور یہی اس شخص کے صدق و سچائی کی معرفت کا امتحان و کسوٹی ہے جو ہدایت و استقامت کی طلب میں انہیں ادا کرتا ہے۔ نیز اس کے تربیت و اصلاح نفس میں خلوص و رغبت پر کھلی دلیل و برہان ہے۔ جہاں تک اس کے میدانوں کی بات ہے تو وہ بہت زیادہ ہیں جن میں:

۱۔ عبادات و فرائض کو کامل طریقہ پر ادا کرنا: مثلاً:

(الف) مردوں کے لئے پورے سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ مسجد میں باجماعت پانچوں نمازوں کی ادائیگی کی پابندی کرنا۔ (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ﴿مَا مِنْ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ، فَيُحْسِنُ وُضُوئَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ تُؤْتِ كَبِيرَةً، وَذَلِكَ الدَّهْرُ مِثْلُ نَضْرِبِ كَفَّارَةٍ﴾ کوئی مسلمان نہیں ہے کہ اس کے پاس فرض نماز آ حاضر ہوتی ہے، تو وہ نماز کے لئے بہترین وضو، خشوع

و خضوع اور رکوع کرتا ہے مگر یہ نماز اس کے ماقبل کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جب تک کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ ہو، اور یہ تمام زمانہ کے لئے ہے۔ (مسلم)۔

(ب) ہر فرض نماز میں تکبیر تحریمہ پانے کا حریص ہونا۔

(ج) حرام و منکر کاموں سے دور رہ کر ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ (ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

﴿مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَعَرَفَ حُدُودَهُ وَتَحَفَّظَ مِنْهَا مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُتَحَفَّظَ مِنْهُ

كَفَّرَ مَا قَبْلَهُ﴾ ”جو شخص ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اس کے حدود کو پہنچانے اور اس

بات کی حفاظت کرے جس کی حفاظت اس کے لئے مناسب تھا، تو اس کے ماقبل کے گناہوں کا

کفارہ بن جائیں گے۔“ (احمد)۔

(د) جب حج کی استطاعت ہو اور اس کے لئے موقع میسر ہو، تو فریضہ حج ادا کرنے میں

جلدی کرنا۔

۲- زیادہ سے زیادہ نفلی عبادات بجالانا: مثلاً:

(الف) روزانہ سنت موکدہ (سنن راتبہ) کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ (ام المؤمنین ام

حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے

سنا: ﴿مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيَ لِلَّهِ تَعَالَى كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعاً

غَيْرَ الْفَرِيضَةِ إِلَّا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ﴾ ”کوئی مسلمان بندہ نہیں ہے جو اللہ کے

لئے روزانہ فرض کے علاوہ بارہ رکعت نفل نماز پڑھے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک

گھر بنائے گا۔“ (مسلم)۔

(ب) نماز وتر کی ادائیگی کی پابندی کرنا خواہ ایک رکعت ہی سہی۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے انہوں نے کہا: ﴿أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ بِثَلَاثٍ: صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكَعَتِي الضُّحَى، وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أُنَامَ﴾ ”میرے خلیل محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی: ایک ہر مہینہ تین دن روزے رکھنا، دوسری چاشت کی دو رکعت پڑھنا اور تیسری یہ کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں“۔ (متفق علیہ)۔

(ج) نماز فجر کے بعد مسجد میں ذکر و تلاوت قرآن کے لئے سورج نکلنے تک بیٹھنا اور پھر دو رکعت نماز پڑھنا۔ (انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ تَعَالَى حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ كَانَتْ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ﴾ ”جو شخص باجماعت نماز فجر پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر دو رکعت نماز پڑھے تو یہ کامل و مکمل حج و عمرہ کے اجر و ثواب کے برابر ہے“۔ (ترمذی، حسن)۔

(د) نماز صبحی (چاشت) کی پابندی کرنا۔

(ه) قیام اللیل کے کچھ حصہ کی پابندی کرنا، خواہ چند منٹوں کے لئے سہی۔

(و) فضیلت والے ایام کے روزے رکھنا مثلاً شوال کے چھ روزے، عرفہ و عاشوراء کا روزہ نیز پیر و جمعرات کا روزہ۔

(ز) برواحسان کے راستوں اور کاموں میں صدقہ و خیرات اور خرچ کرنا خواہ تھوڑی مقدار ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ ذکر و عبادت کا اہتمام کرنا:

ذکر اپنے وسیع معنی و مفہوم میں آدمی کے اپنے نفس کی تربیت میں نہایت بلند درجہ رکھتا ہے

اور اس کے کئی درجات ہیں، سب سے اونچے درجے کا وہ ذکر ہے جو قلب ولسان دونوں سے ہو، اس کے بعد اس کا جو صرف قلب سے ہو اور سب سے نچلا درجہ جو صرف زبان سے ہو۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿سَبَقَ الْمُفْرَدُونَ! قَالُوا وَمَا الْمُفْرَدُونَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ﴾ ”مفردین بازی لے گئے! صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! مفردین کس قسم کے لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد و عورت“۔ مسلم)۔

ذکر کی بہت ساری اقسام ہیں، جن میں:

(الف) قرآن کریم کی تلاوت، اور یہ ذکر کی قسموں میں سب سے افضل ہے، اس لئے ایک مسلمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ روزانہ قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ بطور وظیفہ وورد ضرور پڑھے، خواہ کتنا ہی زیادہ مشغولیت رہے، وہ چھوٹے نہ پائے، مثلاً چار صفحاتوں سے آغاز کرے اور اپنے وظیفہ وورد میں ہر مہینہ ایک ایک صفحہ کا اضافہ کرتا جائے، یہاں تک کہ ایک عرصہ بعد وہ روزانہ پورا ایک پارہ قرآن مجید تلاوت کر لے اور پھر اس پر پوری زندگی قائم رہے۔ (ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ آتَمَ حَرْفٍ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَا مٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ﴾ ”جو شخص کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے اس کو ایک نیکی ملے گی اور نیکی دس گنا بڑھائی جاتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے“۔ ترمذی، حسن صحیح)۔

(ب) ہر وقت اور ہر حال کی مناسب دعاؤں و اذکار کا اہتمام، اور اس سے مراد گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے، مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعائیں ہیں، نیز کھانا شروع کرنے اور کھانے سے فارغ ہونے کی دعا، نیا کپڑا پہننے کی دعا، نیا چاند دیکھنے کی دعا اور بارش کے نزول کے وقت کی دعائیں وغیرہ، ان سب دعاؤں کی پابندی کرے۔

(ج) صبح و شام کی دعائیں، اور یہ وہ دعائیں ہیں جو دن کے آغاز میں اور رات کے شروع میں پڑھی جاتی ہیں، جن میں آیت الکرسی، سورہ اخلاص اور معوذتین، تین تین بار پڑھنا اور دعاء سید الاستغفار وغیرہ اذکار و معروف دعاؤں کا اہتمام کرنا شامل ہے۔

(د) تعداد کے ساتھ مقید دعاؤں کو پڑھنا، جیسا کہ اس کی تعداد اور فضیلت پر صحیح احادیث وارد ہیں جن میں:

لا الہ الا اللہ دس مرتبہ یا سو مرتبہ پڑھنا۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عِدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيتَ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ حَتَّى يُمَسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلِ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ﴾ ”جو شخص دن میں ’لا الہ الا اللہ و وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شیء قدیر‘ سو مرتبہ پڑھے اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور یہ اس دن شام تک کے لئے شیطان سے اس کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے گا اور کوئی شخص اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کر سکتا، مگر وہ شخص جو اس آدمی

سے زیادہ عمل کرے، متفق علیہ)۔ اور ہر فرض نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر تینتیس مرتبہ اور سو کا عدد مکمل کرنے کے لئے لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ پڑھے۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ﴾ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد و ہو عل کل شیء قدير پڑھ کر سو کا عدد مکمل کرے، تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے گرچہ وہ سمندر کے جھاگ برابر ہوں، مسلم)۔ اور سبحان اللہ وبحمدہ سومرتبہ پڑھنا۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ﴾ جو آدمی سبحان اللہ وبحمدہ دن میں سومرتبہ کہے، اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے گرچہ وہ سمندر کے جھاگ برابر ہوں، متفق علیہ)۔

(ھ) ذکر مطلق، اور یہ وہ ذکر کہلاتا ہے جو کسی متعین وقت، یا مخصوص جگہ، یا خاص حال کے ساتھ مقید نہیں، مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اور الصلاة والسلام علی رسول اللہ وغیرہ۔

اور اس وسیلہ و ذریعہ کے تحت ہم بعض اہم ہدایات کا ذکر کرتے ہیں، جن میں:

اول: پانچ وقت کی نمازوں کی اہمیت:

ایک سچا مسلمان جو ان نمازوں کی پابندی کرتا ہے اور انہیں مسجد میں وقت پر اور باجماعت پورے ارکان و واجبات و سنن کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حریص ہوتا ہے ان سنتوں اور دیگر طاعات کی کوتاہیوں سے اجتناب کرتے ہوئے جن میں بعض لوگ واقع ہوتے ہیں، یا بے فائدہ لہو و لعب اور گناہ و معصیت میں مشغول ہوتے ہیں، یا ان فرائض کی اور خاص طور سے نماز فجر کی وقت پر ادائیگی کی قیمت پر دیررات جاگتے ہیں! نیز اسی طرح وہ تکبیر تحریمہ پانے کا انتہائی حریص ہوتا ہے جس سے بہت سارے مصلی حضرات غفلت کا شکار ہوتے ہیں۔

دوم: عادت اور عبادت کے درمیان:

تاکہ ہم ان عبادت کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبہ کو بلند کر سکیں یہاں تک کہ یہ اکتادینے والے عادات و روٹین میں تبدیل نہ ہو جائیں، انہیں ہم فقط جسم بلا روح اور مجرد اقوال و مردہ حرکات کے ساتھ ادا کرنے لگیں۔ بلکہ ہماری یہ انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ ہم ان عبادت کو اپنے قلب و روح کے ساتھ ادا کریں، ان کے حقیقی معانی اور بلند مقاصد کی حقیقتوں میں کھوجائیں، پورے سکون و اطمینان اور صدق و اخلاص اور دل جمعی کے ساتھ ادا کریں، تاکہ ان کا اثر نہ صرف ہمارے نفس اور زندگی پر پڑے بلکہ ان کا اثر ہمارے اعضاء و جوارح اور اخلاق و سلوک پر نمایاں ہو جائے۔ ارشادِ بانی ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (سورۃ المؤمنون: ۲۰) ”یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی، جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں“۔

سوم: صرف علم و معرفت کافی نہیں:

کیا یہ درست ہے کہ ہمارے بعض بھائیوں کے حصہ میں ان اعمال صالحہ کا ان پر عمل اور عملی تطبیق دیئے بغیر صرف اجر و ثواب اور فضیلت کا علم و معرفت آئے؟ میں نہیں سمجھتا کہ جن کے

قلب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے اور جو فردوس بریں کا حریص ہے کہ وہ کبھی بھی ایسی حرکت کرے گا، بلکہ آپ سے ہر عمل و میدان میں دوڑ لگاتے اور ہر خیر و طاعت میں سبقت کرتے پائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ (الحجید: ۲۱) ”آؤ دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے، یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں“۔ اس قول زریں سے رہنمائی لیتے ہوئے کہ: ”اگر تمہارے بس میں یہ بات ہو کہ کوئی بھی شخص تم سے اللہ کے دین کی طرف سبقت لے جانے میں پہل نہ کر سکے تو ایسا ضرور کرو“۔

چہارم: ہم اللہ کے ذکر کو نہ بھولیں:

فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ ایک مسلمان کی زبان اللہ کے ذکر و تسبیح و استغفار اور مختلف اذکار سے تر ہو، نہ صرف گھر و گاڑی اور سڑکوں پر بلکہ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر حال میں۔ ارشاد بانی ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ﴾ (الاعراف: ۲۰۵) ”اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا“۔

پنجم: سرور و نشاط کے اوقات کو غنیمت جان کر استعمال کرنا:

کبھی نفس طاعت پر آمادہ و متوجہ ہوتا ہے اور کبھی اس سے روگردانی اور منہ موڑتا ہے۔ اور

ظفر یاب خردمند وہ شخص ہے جو اپنے اوقاتِ صحت اور سرور و نشاط اور اوقاتِ فراغ کو غنیمت جان کر طاعت و بندگی اور کثرتِ نوافل میں متوجہ و مشغول رکھے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا ہے: ﴿اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ﴾ ”پانچ باتوں سے قبل پانچ باتوں کو غنیمت سمجھو: پیرانِ سالی سے قبل جوانی کو، مرض سے قبل صحت و عافیت کو، فقر و محتاجگی سے قبل مالداری کو، مشغولیت سے قبل اوقاتِ فراغ کو اور موت سے قبل حیات و زندگی کو“۔ (امام حاکم نے ۳۰۶/۴ میں روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)۔

ششم: فضیلت والے اوقات و مقامات سے استفادہ کرنا:

اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات اور بعض مقامات کو زیادتیِ فضیلت کے ساتھ خصوصیت عطا کی ہے اور انہیں بارانِ رحمت کے نزول اور دعاؤں کی قبولیت کی جگہ قرار دیا ہے، اس لئے ایک مسلمان کے لئے یہ سزاوار ہے کہ ان اوقات و مقامات کا بہترین استعمال کرے، مثلاً ماہِ رمضان، عشرہ ذی الحجہ، روز جمعہ کی آخری گھڑی اور رات کی آخری تہائی گھڑی وغیرہ۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا ہے: ﴿إِنَّ فِي اللَّيْلِ سَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ﴾ ”رات میں ایک گھڑی ہے کہ اسے کوئی مسلمان شخص نہیں پاتا جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کے امور میں کچھ خیر کا سوال کرے، مگر اللہ اسے وہ عطا فرماتا ہے، اور یہ گھڑی ہر رات میسر ہے“۔

ہفتم: توازن کی حاجت و ضرورت:

ایک مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان عبادات و طاعات کو بجالانے میں انتہائی محنت و کوشش کرے لیکن کچھ توازن کے ساتھ، کیونکہ یہ بالکل درست نہیں کہ آدمی بعض باتوں کا تو

اہتمام کرے اور بعض دیگر باتوں میں غفلت و لاپرواہی سے کام لے۔ لیکن وہ اپنے امکان و وقت کی حد تک تمام امور پر عمل کرنے کا حریص ہوتا کہ وہ عبودیت کا ملہ کا اہل ہو جائے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی طرف سعی میں لوگوں کے طرق کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: ”ان میں سے ایک اللہ کی جانب سالک ہے جو ہر طریق سے اللہ کا اصل ہے جس نے وظائف و مراسم عبودیت کو اپنے قلب کا قبلہ اور اپنی آنکھوں کا نشانہ بنایا ہے، وہ اسی کا جو یا ہے خواہ وہ کہیں ہو اور اسی کے ساتھ گردش کرتا ہے جہاں وہ جائے، اس نے ہر فریق عبادت کے ساتھ اپنا ایک حصہ ضرور لگایا ہوا ہے۔ لہذا جہاں عبودیت پائی جائے گی آپ وہاں اسے پا جائیں گے۔ اگر وہ علم ہو تو آپ اسے اہل علم کے ساتھ پائیں گے، یا جہاد ہو تو اسے مجاہدین کی صف میں دیکھیں گے، یا نماز ہو تو اسے قارئین کے زمرہ میں پائیں گے، یا ذکر ہو تو آپ اسے ذاکرین کے حلقہ میں پائیں گے، یا احسان و نفع ہو تو آپ اسے محسنین کی جماعت میں پائیں گے۔ وہ شیوہ عبودیت کا شیدائی ہے جہاں اس کی سواری پڑاؤ ڈال دے، وہ اسی کا رخ کرتا ہے جہاں وہ خیمہ زن ہو جائے۔ اگر اس سے دریافت کیا جائے: تم کن اعمال کا قاصد ہو؟ تو وہ جواب میں کہے گا: میرا مقصد تو صرف اپنے رب کے احکام و فرامین پر عمل آوری ہے خواہ وہ جہاں ہوں“۔ (طریق الحجرتین: ص ۷۸ تا ۷۹ اور دیکھیں: الفوائد لابن قیم ص: ۳۸)۔

پانچواں اسلوب: اخلاقی پہلو کا خصوصی اہتمام:

اسلام نے اخلاق حسنہ پر خصوصی توجہ دی ہے اور اپنے تمام اوامر و نواہی اور عبادات و طاعات میں نفس اور انسان کی حیات پر ایجابی ثمرات و نتائج پر خصوصی عنایت مرکوز کی ہے، جن میں سے حقوق اللہ میں عظیم اللہ کا تقویٰ و خشیت اور محبت و الفت، اور حقوق العباد میں بندوں کے ساتھ حسن خلق اور ان کے ساتھ نیک سلوک و احسان ہے، کیونکہ دین معاملہ کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سارے اخلاق و اقدار پر ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات: ۹) ”بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۸) ”اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔“ نیز ارشاد در بانی ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (حم السجدہ: ۳۴) ”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست“۔ نیز ارشاد الہی ہے: ﴿إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰) ”صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔“

اور حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَدِيَّ﴾ ”قیامت کے دن مومن بندہ کے میزان میں حسن خلق سے بڑھ کر کوئی نیکی وزن دار نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور منہ پھٹ بد زبان سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔“ (ترمذی، حسن صحیح)۔ اور ایک دوسری حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ﴾ ”ایک مومن اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ روزہ دار و تہجد گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اخلاق تربیت کے وسائل میں سے ایک وسیلہ اور نفس الوقت اس کا ہدف و نشانہ بھی ہے۔ لہذا ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی تربیت ان اخلاق کی بنیادوں پر کرے جن کی دعوت ہمارے دین حنیف نے دی ہے، مثلاً حلم و بردباری اور صبر و رضا، الفت و محبت اور تواضع و خاکساری، کرم و سخاوت اور غمخواری، صدق و امانت، عدل

وانصاف اور ایذا کا تحمل، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی، بڑوں کا اکرام و احترام اور چھوٹوں پر شفقت و محبت، محتاج و فقیر اور مظلوم کی مدد و نصرت، تاکہ ایک مسلم معاشرہ کا ہر فرد الفت و محبت کی فضاؤں میں زندگی گزارے اور ان میں ایسے تعلقات استوار ہوں جن پر محبت و سعادت، اعتماد و احترام اور ایک دوسرے کی شفقت و خبر گیری کی بالادستی و حکمرانی ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ خامہ فرسائے ہیں: ”پورا دین اسلام اخلاق کا نام ہے، لہذا جو شخص تم سے اخلاق میں بڑھا ہوا ہو وہ دین میں بھی ضرور بڑھا ہوا ہوگا“۔ (مدارج السالکین ۲/۲۰۷)۔

اور علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ کے قول: ﴿وَخَالِقِ النَّاسِ بِخُلُقِي حَسَنٍ﴾ ”لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ و سلوک کرو“ کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: (یہ خصال تقویٰ میں سے ایک ہے اور اچھے اخلاق کے بغیر تقویٰ کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اور اسے الگ سے بیان کی حاجت و ضرورت تھی اس سبب سے مستقل بیان کیا گیا، کیونکہ بہت سارے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تقویٰ صرف حقوق اللہ کی ادائیگی کا نام ہے، حقوق العباد کی ادائیگی اس میں داخل نہیں! اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی نہایت ہی گراں و دشوار ہے، اس پر تو انبیاء و صدیقین جیسے کاملین ہی قدرت رکھتے ہیں“۔ (جامع العلوم والحکم ۱/۲۵۴)۔

اور اے مسلمان بھائی! تاکہ آپ اپنے نفس کی اخلاقی تربیت کریں، درج ذیل ہدایات آپ کے پیش خدمت ہیں:

۱۔ مستقل مزاجی کے ساتھ حلم و بردباری:

ایک عظیم تربیتی بنیاد جس کی اس پہلو بلکہ ہر پہلو سے ہمارے نبی کریم ﷺ نے تعلیم دی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ہر غلط سلوک و برتاؤ یا بری عادت و صفت کی اصلاح بار بار کی کوششوں اور سچی جدوجہد سے کی جائے، کیونکہ ایک مسلمان کی جانب سے یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ وہ

اس حجت و دلیل کے ساتھ اخلاق سیئہ سے چمٹا رہے کہ یہ عادات و خصائل اس کے اندر پائدار عادت، یا اس کی فطرت ثانیہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے کہ ہر وہ انسان جس کے اندر یہ بری خصلت ہے اس کی اصلاح پر آمادہ نہ ہونے پر مذکورہ قول سے دلیل پکڑے، تو پھر اوامر و نواہی، عقل و ارادہ اور اسلام میں ترغیب و ترہیب کا کوئی فائدہ نہیں جس کی امید کی جائے۔

۲۔ اخلاق ذمیمہ سے قلب کی تطہیر:

یہ اسلام میں چوٹی کے اخلاق میں سے ایک ہے، کیونکہ ایک مسلمان جب دوسروں کو فائدہ اور وہ جس بھلائی و تعاون کا مستحق ہے نہ پہنچا سکے اور ان کے ساتھ حسن اخلاق اور آداب کا مظاہرہ نہ کر سکے، تو کیا یہ کم ہے کہ وہ اس حال میں صبح و شام کرے کہ اس کا قلب کینہ و کپٹ، حقد و حسد، غرور و تکبر اور تمام اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف ہو۔

۳۔ امتداد و تکمیل اخلاقی:

بہت سارے مسلمان مزید اخلاق و آداب سے آراستہ ہونے یا اخلاق کے اعلیٰ درجہ سطح تک پہنچنے سے اس دلیل و حجت سے باز رہتے ہیں کہ اس کے اخلاق کامل ہو چکے ہیں اور اس کے اوصاف و خصائل بلند یوں تک رسائی حاصل کر چکے ہیں! حالانکہ یہ بات علی الاطلاق غلط اور نادرست ہے، کیونکہ اسلام جن اخلاق و اقدار کی دعوت دیتا ہے وہ بکثرت اور گہرائی و گیرائی لئے ہوئے ہیں کہ ان کا حصر نہ ہو سکے۔ اور اگر انسان اپنے آپ سے اور وہ بھی اس دور میں یہ دریافت کرے کہ وہ تمام اخلاق کا کامل و مکمل طور پر حامل ہو چکا ہے، تو اگر وہ سچا ہے تو اس کا جواب اسے شرمندگی سے دوچار کر دے گا۔

۴۔ اہل اخلاق حسنہ کی صحبت و اختلاط:

ایک مسلمان کی اخلاقی تربیت نفس اور اپنے ناقص اخلاق کی تکمیل میں اثر انداز وسائل

میں سے ایک اخلاق حسنہ اور اونچے اوصاف و اقدار کے حامل لوگوں کی صحبت و اختلاط اختیار کرنا ہے، تاکہ ان کے اخلاق سے کسب فیض کر سکے اور ان کے آداب کا حامل بن سکے، کیونکہ انسان اپنی فطرت کے تحت اپنے ماحول و معاشرہ اور میل جول کے لوگوں سے غیر محسوس اور نقالی کے طور پر اثرات اخذ کرتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ ایک مسلمان اہل خیر و تقویٰ کی صحبت اختیار کرے اور انہیں عطر فروش سے تشبیہ دی ہے اور برے لوگوں کی صحبت سے تنبیہ کی ہے اور انہیں بھٹی پھونکنے والے لوہار سے تشبیہ دی ہے۔ لہذا اے مسلمان بھائی! تمہیں مبارک ہو!! تمہاری صحبت صالح ہو شاید تم کسی سے ایک اچھا اخلاق یا عمدہ عادت دیکھو جو تمہاری دنیا و آخرت کے لئے مفید ثابت ہو۔

۵۔ عام آداب کی رعایت:

ایک مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسی بات کا ارتکاب کرے جو قواعد مروت کے خلاف، یا جسے لوگوں کے ساتھ تعامل کے آداب، یا ان کے ساتھ گفتگو، یا سلوک و برتاؤ اور آداب عامہ کے جوانب میں سے کسی بھی جانب سے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، جہالت و ناواقفیت شمار کیا جائے، مثلاً بلا ضرورت آواز بلند کرنا، یا معمولی اسباب کی بنا پر ناراض ہونا، یا کثرت سے مذاق و گفتگو کرنا، یا نظام ڈرائیونگ کی مخالفت جیسے ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا کہ جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے، یا اس کے علاوہ دیگر معمولی اور چھوٹے امور خواہ اس کی نگاہ میں کتنا ہی معمولی ہو۔ اس لئے کہ ایک مہذب مسلمان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ دوسروں کے مابین ممتاز قوت شامہ اور موقع کی نزاکت کو تاڑنے والی قوت احساس والا اور کثیر ادب و خوبیوں والا ہو۔ اور کیوں نہ ہو کہ وہ بلند اخلاق والی امت اسلامیہ کا نمائندہ ہے اور ایک ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہا ہے اور اس کے تمام حرکات و تصرفات اسلام

کے حساب میں ڈالے جاتے ہیں۔

چھٹا اسلوب: دعوتی امور میں شرکت:

دعوتی امور میں شرکت ذاتی تربیت کے اہم اسلوب میں سے ایک شمار ہوتا ہے، کیونکہ ایک مسلمان جو دعوت الی اللہ کے فرائض انجام دیتا ہے اور لوگوں کے ساتھ تعلیم و تربیت میں شریک ہوتا ہے، وہ اس کے بالمقابل اللہ اور اس کے رسول کے اوامر ماننے، دوسروں کے جذبات و احساسات کی قدر کرنے اور ان کے احوال کا اہتمام کرنے، ان کو معصیت و کفر کی حالت سے نکالنے کی اپنی رغبت و خواہش میں اپنے نفس کی بھی تربیت کرتا ہے اور اس کی پرورش و نشوونما کرتا ہے اور وہ بہت سارے اخلاق و اقدار کی تعلیم لیتا ہے جو وہ اس طریقہ کو اپنائے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ سب ایسے اغراض و مقاصد ہیں جو بذات خود مطلوب ہیں۔

دوسری طرف ایک مسلمان جب اسلامی ممالک کے تمام خطوں و حصوں میں مسلمانوں کے حالت زار اور ان کی اکثریت تمسکِ دین و عقیدہ میں جس خلل و کمزوری سے دوچار ہے اور اپنی عبادات اور اخلاق و سلوک کے التزام میں جس ضعف و اضمحلال کا شکار ہے، کو دیکھ رہا ہوتا ہے، چنانچہ ایک مسلمان جب یہ صورت حال دیکھتا ہے تو امت اسلامیہ جس افسوس ناک حالات اور اندوہناک صورت حال تک پہنچ چکی ہے وہ ان پر حسرت و الم کا شعور و احساس کرتا ہے۔

لیکن کیا اس صورت حال کی اصلاح کے لئے صرف حسرت و یاس اور غم و الم کا اظہار ہی کافی ہے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ جس کے قلب میں اپنے دین کے لئے خلوص اور اپنی امت کے لئے درد ہو، اتنی ہی بات پر اکتفا کر بیٹھے گا۔ ہمارا خیال ہے اور پوری توقع ہے کہ وہ ایسا کام کرے گا جس سے وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے اور قیامت کے دن حساب سے نجات پالے۔ اس بنا پر کہ ایک مسلمان اس دعوتی تربیت کے ساتھ جڑ جائے اور اسے اپنانے کا حریص

بن جائے، ہم کچھ مفید خطوط و معالم کا تذکرہ کرتے ہیں، جن میں:

۱۔ دعوت کے وجوب و فرضیت کا شعور و احساس:

یہ نہایت ہی اہم امر ہے، کیونکہ ایک مسلمان اپنے نفس کی دعوتی ترہیت میں اپنے دعوت الی اللہ کے علم و معرفت کے مطابق آگے بڑھتا رہتا ہے اور اسے اس اہم ذمہ داری کو اٹھانے کے بارے میں کوئی عذر یا کوئی اختیار نہیں ہوتا، ہر شخص اپنے علم و حال اور کوشش کی حد تک آیات و احادیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ (یوسف: ۱۰۸) ”آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے، میں اور میرے تابعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین و اعتماد کے ساتھ“۔ نیز نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: ﴿مَنْ دَعَا إِلَىٰ هُدًىٰ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا﴾ (مسلم) ”جو شخص کسی نیک کام و ہدایت کی دعوت دے، وہ ان لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر اجر و ثواب کا حق دار ہوگا جنہوں نے اس نیک کام پر عمل کیا اور اس سے ان کے اجر و ثواب میں کچھ کمی بھی نہیں ہوگی“۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد: ﴿مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ﴾ (مسلم) ”تم میں سے جو شخص منکرات دیکھے وہ اسے ہاتھ سے دور کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو قلب سے برا جانے، لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“۔

۲۔ ہر موقع و فرصت کو دعوتی کام کے لئے استعمال کرنا:

دعوت الی اللہ کسی جگہ، زمانہ، حال یا مخصوص افراد کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ ہر وقت

اور ہر زمانہ میں اور کسی بھی شرعی طریقہ و اسلوب میں جو متوقع ہدف و نشانہ کا حامل ہو، دی جاسکتی ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کے یہ درست نہیں ہے کہ وہ دعوت و اصلاح کی کسی مناسبت، یا فرصت، یا ہنگامی حالت کو حقیر و معمولی سمجھے۔ کون جانتا ہے، ممکن ہے اسی سبب و وجہ سے کوئی انسان ہدایت پا جائے جس کی داعی کو توقع اور وہم و گمان نہ ہو۔

۳۔ بلا ناغہ مسلسل دعوت کا کام انجام دیتے جانا:

کیونکہ دائمی تھوڑی سی چیز منقطع بہت ساری چیزوں سے افضل ہوتی ہے۔ اور دعوتی میدان میں یہ ایک بنیادی و کلیدی اصول ہے۔ اس سبب سے کہ بعض مسلمان اپنی حیات کے کچھ مخصوص مراحل میں خاص طور سے جوانی کے مرحلہ میں دعوت الی اللہ کے کاموں میں کافی سرگرمی دکھاتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ کچھ ایام و سال کے بعد اس پر ضعف و اضمحلال کے آثار نظر آنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ وہ بہت سارے اسباب کے تحت بالکلہیہ - اللہ نہ کرے - دعوت الی اللہ ترک دیتے ہیں۔ اس کے نمایاں اسباب میں سے ایک، جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے، علمی و ایمانی جوانب و پہلوؤں کے التزام میں ضعف و کمزوری دکھانا ہے۔

۴۔ دعوت کا باب نہایت وسیع ہے:

اس بارے میں ایک داعی کا اجتہاد کہ عصر حاضر کے کثیر وسائل دعوت میں جو اس کے میلان و رجحان، حال و وقت اور عمل و محنت کے مناسب ہو، کس وسیلہ کو اپنائے، اس کے ذہانت و فطانت کی دلیل ہے۔ اس وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ وہ ہر اس وسیلہ و ذریعہ سے خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو اور اس موقع و فرصت سے خواہ کتنا ہی کم ہو، استفادہ کرتا ہے۔ اور خاص طور سے وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حریص ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نفوس میں عظیم دعوتی اثر پیدا کرتا ہے۔ ان میں سے ایک حقیقی مسکراہٹ، اچھی بات، ہدیہ، کتاب، کیسیٹ، درس

دیکچر کی پیش کشی اور ان کے علاوہ دیگر وسائل و ذرائع ہیں جو بہت زیادہ ہیں۔

۵۔ دوسروں کے ساتھ تعاون:

ایک داعی جب دعوت کی نشر و اشاعت میں محنت و کوشش کرتا ہے اور مقدور بھرا اپنے علم و وقت اور مال کو خرچ کرتے ہوئے اصلاح و رہنمائی کے فرائض کو ادا کرتا ہے، تو یہ ایک عظیم عمل اور قابل قدر نشاط و سرگرمی ہے۔ لیکن اس کی تاثیر و نفع بخشی اس وقت دو بالا ہو جاتی ہے جب اس کی اس دعوت و محنت میں دوسروں کی جدوجہد بھی شامل ہو جائے۔ اور یہ اور وہ لوگ مل کر اس فرض کی ادائیگی پر تعاون کریں جو آج اجتماعی کوششوں اور اداری پروگراموں کا سخت محتاج ہے تاکہ یہ سب اعمال مل کر پورے غلبہ و کامیابی کے ساتھ مطلوبہ ہدف و نشانہ حاصل کر سکے۔

ساتواں اسلوب: مجاہدہ نفس:

یہ نہایت اہم ہے کہ ایک مسلمان اپنی ذات کی کامل تربیت کے حصول کی دشواری کا ادراک کر سکے، مگر یہ کہ وہ تمام لازمی شرائط کو اپنے اندر جمع کر لے اور اپنے مناسب حالات تیار کر لے۔ اور ان میں سب سے بڑا فرائض کی ادائیگی اور ترک معاصی پر نفس کا مجاہدہ اور اسے سنن و طاعات اور اللہ سے تعلق و دار آخرت کی طلب کا عادی بنانا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اللہ کے اوامر پر استقامت اور کمال تزکیہ کے حصول کا طریقہ مصیبت و تکلیف اور مشقت و پریشانی سے گھرا ہوا ہے اور اس راستہ پر دشمن ایک مسلمان کو ضرر پہنچانے و گمراہ کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ دشمن ہیں ہوائے نفس، شیطان، نفس امارہ اور ہر وہ چیز جس کا پیچھا و مقابلہ کرنے اور ان کو ذلیل و رسوا کرنے میں اپنا محنت کا بازو نہ اٹھایا گیا ہو، تو وہ بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ ان کے سامنے تربیت کے اول مرحلہ ہی میں شکست کھا جائے گا، یا تربیت کے سفر میں گامزن رہنے یا اس کے اعلیٰ درجوں تک رسائی حاصل کرنے میں کمزور پڑ جائے گا۔

اس موضوع سے متعلق درج ذیل ہدایات ہیں جن کی یاد دہانی نہایت ہی مناسب ہے:

۱۔ صبر و استقامت مجاہدہ کا زادراہ ہے:

اور صبر ہی تربیت کے استمرار و تقویت کا سبب ہے اور جو آدمی صبر جیسی نعمت سے محروم ہو جائے وہ کبھی بھی مجاہدہ نفس میں کامیاب و کامراں نہیں ہو سکتا۔ اور جتنا زیادہ نفس کا تعلق لذات و خواہشات کے ساتھ بڑھتا جائے گا اتنا ہی بندہ کو مجاہدہ نفس پر صبر اور اس کی عداوت و دشمنی پر غلبہ پانے کی حاجت و ضرورت بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ وہ نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کا تابع و غلام بنا دے۔

۲۔ ارادہ کا مصدر و سرچشمہ:

خارجی احوال و ظروف کے ساتھ ایک انسان کا تعلق خاطر اور ان پر اعتماد مال کی زیادتی و کثرت کے سبب، یا شادی کے باعث یا مستقبل کی طویل امیدوں کے انتظار کی وجہ کہ یہ چیزیں اسے آہنی ارادہ اور اس کے تربیت نفس کے لئے بلا محنت و مشقت کے داخلی و اندرونی قوت دافعہ عطا کرے گا، غلط خیال اور شیطانی حیلہ ہے! البتہ مجاہدہ اور حقیقی ارادہ نفس و ذات کے اندر سے اور انسان کے حرص اور اس کی مناسب قیمت ادا کرنے سے آتا ہے۔ ارشاد بانی ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنكبوت: ۶۹) ”اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے“۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو جہاد پر معلق کیا ہے، لہذا سب سے کامل انسان وہی ہے جو سب سے بڑا جہاد کرنے والا ہو اور جہاد میں سب سے بڑا فرض نفس و خواہشات، شیطان اور دنیا سے جہاد کرنا ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ کی رضا کے لئے ان

چاروں سے جہاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا و خوشنودی کے راستوں کی جو اسے جنت تک لے جائے ہدایت دے دیتا ہے۔ اور جو جہاد ترک کر دے اس سے اس قدر ہدایت کا دامن چھوٹ جائے گا جتنا اس نے جہاد کو اپنی زندگی سے معطل کر رکھا ہے۔“

۳۔ مجاہدہ میں تدریج کا خیال رکھنا:

نفس میں اصلاح و تبدیلی صبح و شام کے درمیان نہیں آجاتی بلکہ یہ رفتہ رفتہ اور آہستگی کے ساتھ تدریجاً آتی ہے۔ اور وہ یوں کہ انسان ہمارے بیان کردہ اسلوب میں ان اعمال صالحہ اور مفید پروگراموں میں اتنے ہی کو اپنائے جن کی وہ روزمرہ استطاعت رکھتا ہے، اور بلاشبہ چند ہی ایام اور محنت و کوشش کے صرف اور اللہ کے لئے خلوص نیت کے ساتھ وہ اپنے نفس کو پائے گا کہ وہ ان باتوں سے اپنا تعلق جوڑنے لگا ہے اور اس کی مزید رغبت کر رہا ہے۔ اس وقت اس پر سوائے اس کے مزید کچھ واجب نہیں کہ وہ ایک نئی چیز کا اضافہ کرے اور اس پر ثابت قدم رہے۔ اور باذن اللہ وہ اپنے نفس و ایمان اور اخلاق میں تغیر اور مثبت ترقی ملاحظہ کرے گا۔ اس ایمانی حقیقت کی تاکید میں ایک حدیث قدسی بھی آئی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کی بات روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَمَنْ جَاءَنِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً﴾ (بخاری و مسلم) ”جو بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھ کر آئے میں اس کی جانب ایک ہاتھ لپکتا ہوں، اور جو آدمی میری طرف ایک ہاتھ بڑھے میں اس کی جانب دو ہاتھ لپکتا ہوں، اور جو شخص میری طرف چل کر آئے میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں۔“ اور جیسا کہ کہاوت ہے: ”ایک قدم بڑھانے سے ہی ایک ہزار میل کی مسافت طے کرنے کا آغاز ہو جاتا ہے۔“ لہذا اے مسلمان بھائی! آپ کو صرف اتنا ہی تو کرنا ہے کہ آپ آج ہی

اپنی مقدور بھرا اعمال صالحہ کا آغاز کر دیں، باذن اللہ جلد ہی اس کے اثرات و نتائج سے آپ خوش ہو جائیں گے۔

۴۔ بیدار مغزى کا ثبوت دیکھئے:

بلاناغہ اور نیک عمل سے توقف کئے بغیر نفس و خواہشات اور شیطان کے ساتھ مجاہدہ کے استمرار و تسلسل میں ایک لمحہ ہی کافی ہے، کیونکہ بسا اوقات غفلت اور ترک خواہ چند لمحوں ہی کے لئے کیوں نہ ہو، ایسے عظیم ایمانی و تربیتی خسارہ کا موجب ہوتا ہے کہ کبھی اس کا بدل مطلقاً ممکن نہیں ہوتا اور کبھی بعد میں اس کا بدل ممکن ہوتا ہے لیکن بڑی مشقت و دشواری کے ساتھ۔ حکیم ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر تم نفس کو ریاضت اور نیکی کا عادی بنانے سے غفلت برتو، تو تم اس بات سے مامون و بے خوف نہیں رہ سکتے کہ تم نفس کی بعض بری عادت کی طرف مائل ہو جاؤ، جب تک اس کی شہوات زندہ اور خواہشات بیدار ہیں“۔ (اسرار مجاہدۃ النفس للحکیم الترمذی ص ۸۴)۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ”مجاہدۃ نفس کی تکمیل یہ ہے کہ انسان اپنے تمام احوال میں بیدار مغز رہے، کیونکہ جب وہ اس سے غافل ہوگا تو شیطان اسے اور اس کے نفس کو ممنوع و حرام کاموں میں پھانسنے کے لئے ورغلائے گا“۔ (فتح الباری ۱۱/۳۳۸)۔

۵۔ مجاہدۃ نفس سے فائدہ کون اٹھاتا ہے؟

مسلمان بھائیو و بہنو! کیا آپ کو ہمیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس کے فائدہ اٹھانے والوں میں آپ ہی اول اور آخر ہیں، اگر آپ نے اپنے نفس اور اپنے دشمنوں سے جہاد و مجاہدہ کر لیا؟ اور آپ کے نیک اعمال کا اجر و ثواب آپ ہی کے نامہ اعمال کے ترازو میں ہوگا دوسرے کے ترازو میں نہیں؟ اگر اس کا متوقع جواب اثبات میں ہے، تو پھر یہ غفلت و لاپرواہی سستی و کاہلی اور آسائش و راحت اور ناز و نعمت کے داعیہ کے آگے سر تسلیم خم کیوں؟ کیا آپ

اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے کہ یہ زندگی چند ایام کی زندگی ہے، پھر ساری مشقت و پریشانی ختم ہو جائے گی، اور آپ انشاء اللہ اجر و ثواب سے شاد کام ہوں گے۔

آٹھواں اسلوب: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدق دعا و التجا:

اس پہلو کا شمار ذاتی تربیت کے اہم پہلوؤں میں ہوتا ہے، کیونکہ جب تک ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت و توفیق اور اپنے مقصود و مراد کے حصول اور مکروہ و ناپسندیدہ باتوں کے دفاع میں عزم و ہمت نہیں پائے گا تو اپنی ذکاوت و فراست اور اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر خواہ وہ کتنا ہی طاقتور ہو اپنے نفس کی تربیت نہیں کر سکے گا۔

اور دعا تربیت کے وسائل و ذرائع میں ایک نہایت اہم وسیلہ ہے، کیونکہ دعا ایک بندہ کی جانب سے اپنے آقا و مولیٰ کے سامنے اپنی عاجزی و در ماندگی اور اپنے فقر و محتاجی اور قوت و طاقت کی براءت کا اعتراف ہے، نیز اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ ساری قوت و طاقت و انعام کا سرچشمہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

ارشاد بانی ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المؤمن: ۶۰) ”اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا“۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا عَلَى الْأَرْضِ مُسْلِمٍ يَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى بِدَعْوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ إِيَّاهَا، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ الشُّؤْمِ مِثْلَهَا مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةٍ رَحِمٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: إِذْنُ نُكْثِرُ! قَالَ: اللَّهُ أَكْثَرُ!﴾ وفي رواية اخرى وزاد فيه: أَوْ يَدْخِرُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَهَا ﴿”روئے زمین کا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا نہیں مانگتا، مگر اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرما دیتا ہے، یا اس جیسی کوئی بلا و آفت اس سے ٹال دیتا ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے“۔ یہ سن کر قوم کے ایک

آدمی نے کہا: ”تب تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے“۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے: ”یا اللہ تعالیٰ اس کے مثل اجر و ثواب اس کے لئے ذخیرہ کر دے گا“۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

نیز حدیث پاک میں آیا ہے: ﴿أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ﴾ ”سب سے عاجز انسان وہ شخص ہے جو دعا مانگنے میں عاجز رہ جائے“۔ (صحیح الجامع: ۱۰۴۴)۔

نیز ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے: ﴿وَلَا يَسْرُدُ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ﴾ ”اور دعا و مناجات ہی تقدیر الہی کو پلٹ سکتی ہے“۔ (اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی نے صحیح الجامع: (۷۶۸۷) میں حسن قرار دیا ہے)۔

اور نبی کریم ﷺ نے دعا اور تزکیہ کے مابین تعلق کو صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ دعا تربیت و تزکیہ کے وسائل میں سے ایک نہایت اہم وسیلہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْإِيمَانَ لِيَخْلُقَ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلُقُ الثَّوْبُ، فَسَلُوا اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُجَدِّدَ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ ”ایمان تمہارے قلوب میں اسی طرح بوسیدہ ہو جاتا ہے جیسے تمہارا کپڑا بوسیدہ ہوتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے قلوب میں ایمان کی تجدید کر دیا کرے“۔ (اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)۔

اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ”أَدْعُ اللَّهَ فِي يَوْمِ سَرَائِكَ لَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكَ فِي يَوْمِ ضَرَائِكَ“ ”تم اللہ تعالیٰ سے اپنے ایام خوش حالی میں دعا کیا کرو، شاید تمہاری بد حالی کے ایام میں وہ تمہاری دعا سن لے“۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”اور نہیں ہلاک کیا گیا جس قوم کو ہلاک کیا گیا مگر اس

اس کے اللہ کی شکرگزاری کے ضیاع اور اللہ کی محتاجگی اور اس سے دعا و فریاد سے غفلت و اہمال کے سبب، اور نہیں کامیاب و کامراں ہوا جو کامیاب ہوا مگر اس کی شکرگزاری کا شیوہ اپنانے اور اللہ کی سچی محتاجگی اور اس سے صدق دعا و فریاد کے سبب،۔ (الفوائد: ص ۲۳۳، تحقیق عامریا سین)۔

اور اس وسیلہ کے خاطر خواہ ثمرات و فوائد پانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم درج ذیل معالم و خطوط سے غفلت و لاپرواہی نہ برتیں:

۱۔ دعا کی حاجت و ضرورت:

اللہ تعالیٰ کی نصرت، خیر کی توفیق، صراطِ مستقیم کی ہدایت، موت تک اس پر ثابت قدمی اور اس کے بغیر دنیا و آخرت کے خسارہ و نقصان، کی ایک مسلمان کی انتہائی حاجت و ضرورت کا شعور و احساس، اس جانب میں نہایت ضروری امر ہے اور یہ اس سے اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا یہ شعور و احساس اس کی عمر کے ہر پل و لمحہ اور اس کی زندگی کے ہر سانس کے ساتھ اتنا قوی و مضبوط ہو جائے کہ یہ سب اسے ہر اس موقع و فرصت اور لمحہ کو غنیمت جاننے پر آمادہ کر دے جس میں دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے، کثرت دعا اور اللہ سے الحاح و زاری کے ساتھ کہ وہ اس کے تزکیہ نفس اور ایمان و احسان کے اعلیٰ درجات تک وصول کے مقصد کو پورا کر دے اور ہمیشہ و ہر وقت اس کے ذکر و شکر اور حسن عبادت پر اس کی اعانت فرمائے۔

۲۔ قبولیتِ دعا کے اوقات و جگہیں:

دعا کا بہترین وقت آخری تہائی رات، پانچوں نمازوں کے اذان کے وقت، اذان و اقامت کے درمیان اور بحالتِ سجدہ ہے۔ اور افضل ترین جگہوں میں کعبہ شریف کے اندر، حجر کعبہ، صفا و مروہ کی پہاڑی پر اور سفر کے وقت دعا ہے۔

۳۔ دعا کے شرائط:

تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول فرمائے یہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ ہم دعا کے شرائط اور آداب کو لازماً پورے کریں اور قبولیت کے موانع سے خود کو فارغ کر لیں۔ مثلاً حلال و پاک کھانا، عزم مصمم سوال، دعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے ضعف و تذلل کا اظہار، حضورِ قلب، گناہوں سے توبہ، اور صرف اللہ ہی سے رغبت و خوف وغیرہ۔

۴۔ دعا کی قبولیت کے لئے جلدی نہ مچائیں:

کبھی مسلمان بکثرت اللہ تعالیٰ سے دعا و الحاح و زاری کرتا ہے لیکن اس کا مطلوب جلد حاصل نہیں ہوتا، تو کیا یہ بات اس کے لئے یہ جواز بن سکتی ہے کہ وہ مایوس ہو کر دعا کرنا ہی ترک دے؟ اگر اس نے ایسا کیا تو شیطان اسے شکست دینے، اس عظیم عبادت کے ثمرات اور اس مضبوط ہتھیار کو جسے ہزیمت سے دوچار نہیں کیا جاسکتا، استعمال کرنے سے ناکام بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ البتہ اس پر برابر دعا کرتے رہنا ضروری ہے تاکہ وہ تین باتوں میں سے کسی ایک سے فائدہ اٹھائے: یا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پوری کر دے اور اس کی مانگ عطا کر دے، یا اس سے اس جیسی بلا و آفت ٹال دے، یا اس کے لئے اس دعا کا اجر و ثواب جمع رکھے۔ پھر تو وہ دنیوی و اخروی دونوں نعمتوں سے مالا مال ہو گیا۔

۵۔ صرف خود کو نہیں، دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیے:

اپنے لئے ہدایت و استقامت کی دعاؤں میں اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب، دعا و مجاہدین اور تمام مسلمانوں کو نہ بھولئے۔ اس سے آپ ایک ساتھ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دعا کا اجر و ثواب کمالیں گے، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے: ﴿مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلِكُ: وَلَكَ بِمِثْلِ﴾ ”جو مسلمان بندہ اپنے بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے، تو فرشتہ کہتا ہے: اور تجھے بھی اس کے مثل ملے گا“۔ (مسلم)۔

ذاتی تربیت کے ثمرات و نتائج:

اس بحث کے اخیر میں مناسب سمجھا گیا کہ بعض ان اچھے آثار و نتائج اور پکے ہوئے ثمرات کو بیان کر دیا جائے جو ایک مسلمان (مرد و عورت) چنتا ہے جب وہ اپنے نفس کی ہمہ جہت و کامل تربیت کرتا ہے، شاید یہ ہم سب کے لئے اپنے نفس کی تربیت و اصلاح اور تزکیہ کے لئے ہمیںز کا کام کرے۔ اور وہ ثمرات و نتائج درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی کامیابی:

ایک مسلمان جب اپنے نفس کی واجبات کی ادائیگی اور معاصی سے دوری اختیار کرتے ہوئے ہمہ جہت کامل تربیت کرتا ہے، تو بلاشبہ وہ اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد پھر جنت کی کامیابی سے کامیاب و کامراں ہوتا ہے جو کہ ہر مسلمان کی آخرت میں طمع اور اس کی خوشی و سعادت کی غایت ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (المومن: ۴۰) ”اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے“۔ نیز ارشاد الہی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ (الکہف: ۱۰۷) ”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے“۔ اور اس کے اپنے نفس کی تربیت و تزکیہ کے مطابق جنت میں اس کا درجہ ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾ (طہ: ۷۵) ”اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کئے ہوں گے، اس کے لئے بلند و بالا

درجے ہوں گے۔“

۲۔ اطمینان و سکون اور سعادت و کامرانی:

میرے خیال میں ایک بھی انسان ایسا نہیں ملے گا جو اپنی قلبی سعادت اور دلی سکون و اطمینان نہ چاہتا ہو، لیکن اکثریت اس کے حصول کے طریق میں خطا کرتی ہے اور اس کی گلیوں میں بھٹک کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اسے کھانے پینے، شہوتوں اور گناہوں کی لذتوں میں اور یہاں وہاں ڈھونڈتی ہے، جس کے نتیجے میں اسے تھوڑی دیر کی خوشی و سعادت اور وہ بھی دکھاوا اور حقیر شکل میں حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس کڑی محنت و کد و کاوش اور لمبی عمر کے ضیاع کے بعد اسے سوائے زیادہ حزن و ملال اور بڑی حسرت و یاس کے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔

اے جو یائے سکون و سعادت! ہم تمہیں اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور تمہارے لئے راستہ کو مختصر اور تمہاری محنت و وقت کو بچاتے ہیں۔ یقیناً یہ رجوع الی اللہ اور اس کے تمام اوامر کی پابندی و اس کے تمام نواہی سے اجتناب کر کے تربیت نفس کا طریقہ ہے، ارشادِ بانی ہے: ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ (النحل: ۹۷) ”جو شخص نیک عمل کرے۔ مرد ہو یا عورت۔ لیکن با ایمان ہو، تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔“ نیز ارشادِ الہی ہے: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى﴾ (طہ: ۱۲۴) ”اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ”یعنی اس کی دنیوی زندگی تنگی میں رہے گی، نہ اسے سکون نصیب ہوگا اور نہ شرح صدر، بلکہ اس کا سینہ اس کی گمراہی کے سبب نہایت تنگ ہوگا، گرچہ بظاہر وہ ناز و نعم میں ہو اور جو چاہے پہنے، جو چاہے کھائے اور جہاں چاہے رہے۔“

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ خامہ فرسا ہیں: ”زندگی تو صرف ان عاشقوں کی ہے جن کی آنکھیں اپنے محبوب سے ٹھنڈی ہوتی ہیں اور جن کے نفوس اس کے یہاں سکون حاصل کرتے ہیں اور جن کے قلوب اس سے اطمینان کی حلاوت پاتے ہیں اور جس کی قربت سے وہ انسیت کی لذت کام ہوتے ہیں اور جس کی محبت سے لطف و نعمت اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ قلب میں ایک خاص قسم کی بھوک ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی توجہ اور اس کا دھیان و رجوع ہی مٹا سکتا ہے۔ اور اس کی پریشانی و پراگندگی کی اصلاح اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اور جو شخص اس پر کامیابی حاصل نہ کر سکے اس کی پوری زندگی حسرت و غم اور مصائب و آلام سے پُر رہے گی۔“
(مدارج السالکین: ۳/۲۷۷)۔

۳۔ محبت و قبولیت:

اور یہ ایک مومن کے لئے دنیوی بشارت و خوش خبری ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ لہذا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اس کی ایمان و تقویٰ اور عمل صالح پر تربیت کی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرے گا اور یہ انعام کتنا بڑا ہے!! ﴿وَلَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ﴾ ”بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں“۔ اور پھر وہ بلا قصد و اختیار لوگوں کی محبت و عزت حاصل کر لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس کی پزیرائی و قبولیت ڈال دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶) ”بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کئے ہیں ان کے لئے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا“۔ اور حدیث پاک میں آیا ہے: ﴿إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ تَعَالَى الْعَبْدَ نَادَىٰ جِبْرِيلُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي

فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقُبُولُ فِي الْأَرْضِ ﴿﴾ (متفق علیہ) ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، لہذا تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر وہ اہل آسمان میں یہ آواز لگاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لئے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔“ (متفق علیہ) یعنی قلوب میں اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے اور اس کے لئے دلوں میں رعب و خوف بودیا جاتا ہے، چنانچہ قلوب اس سے محبت کرتے ہیں اور نفوس اس سے راضی ہوتے ہیں بلا کسی دوستی اور بلا ان اسباب کے اختیار کئے جن سے قلوب کی محبت کمائی جاتی ہے خواہ وہ قرابت ہو یا دوستی ہو یا بناوٹی، نیز اس کے دشمنوں کے قلوب میں اس کی عظمت شان اور اس کی قدر و منزلت کی عزت افزائی میں اس کا رعب اور اس کی ہیبت ڈال دی جاتی ہے۔ (فیض القدر للمناوی ۲/۲۰۴)۔

۴۔ کامیابی و درستی:

اللہ کے حکم پر ثابت قدمی اور اس کی طاعت پر نفس کی تربیت کے ثمرات و برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی عام زندگی میں کامیابی و توفیق لکھ دیتا ہے، مثلاً خواہ اس کا تعلق اس کی اہلیہ اور بچوں اور گھر والوں سے ہو، یا اس کے ہمسایوں، قرابت داروں اور دوستوں سے ہو، یا اس کا تعلق اس کے تجارتی اسکیموں اور علمی تحقیقات سے ہو، یا کوئی اور ہو، لیکن اس کا معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس انسان کی زندگی نقص و عیب سے، یا دنیوی معاملات میں نقصان و خسارہ سے، یا گناہوں میں ملوث ہونے سے خالی ہو۔ ایسا ہرگز نہیں، وہ ایک انسان ہے، وہ ان تمام عیب، کوتاہی، غفلت اور بھول چوک سے دوچار ہوتا ہے جن سے دوسرے

انسان دوچار ہوتے ہیں، البتہ اس انسان کی زندگی میں جس پر توفیق و صواب غالب ہے اور اس انسان کی زندگی میں جس پر ناکامی اور کوتاہی غالب ہے، بڑا فرق ہے!

۵۔ ہر شر و مکروہ سے حفاظت:

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جیسے مسلمان کو دنیا کے عام مصائب و آفات، زندگی کی مکروہات، شیاطین انس و جن کے برے ارادوں حتیٰ کہ تمام حیوانات و موذی جانوروں سے محفوظ رکھتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ آیت: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحج: ۳۸) ’’اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے دفاع کرتا ہے‘‘ کے تحت رقم طراز ہیں:

’’تو اللہ تعالیٰ کا ان کے لئے دفاع و مدافعت ان کے ایمان کی قوت و کمال اور ایمان کے مادہ و ذکر کے ذریعہ اس کی قوت کے مطابق ہوتی ہے، لہذا جو شخص سب سے زیادہ کامل ایمان والا اور سب سے بڑھ کر ذکر کرنے والا ہو، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا دفاع و مدافعت زیادہ بڑی ہوگی‘‘۔ (الوابل الصیب لابن القیم ص ۷۰)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس متقی اور تربیت یافتہ آدمی کے کان، آنکھ اور اس کی دماغی و جسمانی قوت و طاقت کی حفاظت اس کی جوانی اور بڑھاپے دونوں حالتوں میں کرتا ہے۔

ابن رجب رحمہ اللہ خامہ فرسا ہیں: ’’جو شخص اپنے بچپن اور جوانی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑھاپے اور ضعف قوت کی حالت میں اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے اپنے سمع و بصر اور طاقت و قوت اور عقل سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع عنایت کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک عالم کی عمر سو سال پار کر گئی، اس نے یہ زندگی پائی اور وہ اپنی عقل و قوت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دن لمبی چھلانگ لگائی تو اس پر اسے عتاب کیا گیا تو اس نے جواب دیا: ’’بچپن میں ہم نے ان اعضاء و جوارح کی گناہوں سے حفاظت کی،

تو اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں ہمارے لئے ان کی حفاظت کر دی،۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۶۳)۔
 اور یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کے مضمون کو مزید مضبوط کرتا ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ بِجَاهِكَ﴾ ”تم اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حفاظت کرو، وہ تمہاری شہادت سے حفاظت کرے گا، تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے رو برو پاؤ گے“۔ (اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے)۔

۶۔ مال و وقت میں برکت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان دن میں چوبیس گھنٹے کا مالک ہوتا ہے، لیکن یہاں اس انسان کے مابین جو اپنے نفس کی تربیت کا حریص ہوتا ہے اور جس کے نتیجے میں اس وقت سے بہت سے بار آور اعمال اور خیر کی سرگرمیوں سے استفادہ کر لیتا ہے جو اس کے نفس اور امت کے لئے مفید ہوتی ہیں، اور دوسرے اس انسان کے مابین کہ وہ بھی اسی وقت کا مالک ہوتا ہے، لیکن وہ اسے ضائع کر دیتا ہے اور اسے ایسے کاموں کے لئے کاٹتا ہے جس کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں نہ اپنی ذات کا فائدہ اور نہ دوسروں کا۔ چنانچہ اگر آپ اس سے دن کے اخیر میں دریافت کریں کہ اس نے آج کیا کیا نیکی و خیر کا کام کیا ہے، تو اس کا بیگار حال ہی اس کا سب سے بڑا جواب ہوگا..... اور تقریباً یہی اس کی پوری زندگی کا حال ہے!!

بعینہ یہی حال مال کے ساتھ بھی ہے، کیونکہ آپ اس نیک شخص کو پائیں گے کہ وہ اپنے مال کے بہترین مصرف پالیا ہے اور وہ اسے خیر کے کاموں اور نیکی و احسان کے ابواب میں صرف کر رہا ہے، جبکہ اس کے برعکس دوسرا شخص اسے گناہ و معاصی، شہوات و لذات میں خرچ کرتا ہے جو دنیا میں اس کے وبال کا سبب بن جاتا ہے مثلاً لا علاج امراض اور مصائب سے دوچار ہوتا ہے، یا اسے جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے، اور رہی بات آخرت کی، تو وہ حساب و کتاب اور

جزاء و عقاب سے ہمکنار ہوگا۔

۷۔ حالات و شدائد کا تحمل و برداشت :

اس دنیوی حیات کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی حال پر پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ صفائی و مالداری اور عافیت و اجتماع میں برقرار رہے، بلکہ اللہ نے اسے بدلتے حالات کے ساتھ مربوط کیا ہے اور اس کے راستوں میں بلکہ اس کے پہلوؤں میں بہت ساری مشقت و صعوبت اور آلام و مصائب کو نصب کر دیا گیا ہے۔ اور اس میں بہت ساری حکمتیں پنہاں ہیں اور شاید سب سے اہم حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے لئے یہ بدلتے حالات اور پلٹتے حوادث اس بات پر ہمیز کا کام کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اعمال صالحہ کرنے میں جدوجہد کریں جن سے وہ جنت تلاش کریں جو راحت و سکون اور سلامتی کا گھر ہے۔ اور ایک صالح مسلمان کو ان شدائد و تکالیف کے مقابلہ میں آپ پائیں گے کہ وہ زبردست صبر و تحمل، رضا و استقامت کے بیلنس کا مالک ہے۔ اور وہ اس سبب سے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ مصائب و تکالیف اس کے گناہوں کے کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب ہیں، ارشادِ باری ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرہ: ۱۵۵) ”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجئے“۔ اور جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے: ﴿عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ﴾ ”مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ اس کے لئے خیر ہی ہوتا ہے، اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں، اگر اسے خوشی پہنچتی ہے تو شکرگزار کرتا ہے، جو اس کے لئے خیر ہے۔

اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، جو اس کے لئے خیر کا باعث ہے۔ (مسلم)۔

۸۔ قلبی چین و سکون کا شعور و احساس:

اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو ہر چہار جانب سے خوف و خطرات گھیرے ہوئے نہ ہوں، اور ہر چہار سو سے اس پر حزن و ملال اور غموں کا ہجوم نہ ہو، اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ ایسے ماضی کے مابین ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا فیصلہ صادر فرما چکا ہے! اور ایسے مستقبل کے درمیان ہوتا ہے کہ اسے یہ علم نہیں کہ اللہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے!! لیکن ایک مومن ان تمام خوف و خطرات اور غموں کا بالکل احساس و ادراک نہیں کرتا، نہ ماضی کا، نہ حال کا اور نہ ہی مستقبل کا۔ وہ تو۔ باذن اللہ۔ اللہ کی رحمت اور عفو و مغفرت پر بالکلیہ بھروسہ کرتا ہے خواہ اس سے کتنا ہی بڑا و بھیانگ گناہ سرزد ہو چکا ہو، اور وہ اپنے رزق و معاش سے بالکل مطمئن و بے خوف نظر آتا ہے، کیونکہ اسے یہ علم ہے کہ اس کا یہ رزق لوح محفوظ میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ وہ اپنی زندگی و موت سے بالکل مامون و بے خوف ہوتا ہے، کیونکہ اس کا یہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ موت ایک لمحہ بھر کے لئے بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر اس بات پر مطمئن و راضی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کی تقدیر میں لائے، نیز اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اسی میں اس کے لئے خیر و فلاح ہے ساتھ ہی وہ تمام شرعی و کوئی اسباب کو انجام دینے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (الاحقاف: ۱۳) ”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جے رہے، تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔“ نیز ارشادِ الہی ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾ (الفتح: ۴) ”وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون و اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ

اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔ اور یہ سکون و اطمینان قلب کے لئے زندگی ہے، ایک نور ہے جس سے روشنی حاصل کرے، اس کی بیداری کا سبب ہے اور ایسی طاقت و قوت ہے جو اس کے عزم کو مضبوط تر بنا دیتی ہے، اسے شدائد کے موقع پر ثابت قدم رکھتی ہے اور جزع و فزع کے موقع پر اس کے نفس کو قابو میں رکھتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ سکون و اطمینان ایک مومن کے ایمان میں مزید اضافہ کا سبب بن جاتا ہے۔ (مدارج السالکین لابن القیم ج ۲ ص ۵۰۷)۔

اور یہ حقیقت پیکر مجسم بن کر ہمارے سامنے آ جائے، اس کے لئے ہم اپنے سلف صالحین کی تاریخ سے ایک مثال چنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سچی عبودیت اور آزمائش کے موقع پر سکونِ نفس کی بہترین مثال ہے، اور وہ مثال یہ ہے جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو دمشق کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ کو بھی محبوس کیا گیا، امام ابن قیم راوی ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجھ سے ایک بار فرمایا: میرے دشمن میرا کیا بگاڑ لیں گے، میری جنت و باغ تو میرے سینہ میں ہے، میں جہاں رہوں وہ میرے ساتھ ہوتی ہے اور مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتی، میری قید خلوت ہے، اور میرا قتل شہادت ہے اور میری جلا وطنی سیاحت ہے۔ اور شیخ الاسلام حالت قید میں اپنے سجدہ میں یہ دعا کیا کرتے تھے: ”اے اللہ! تو میری اپنے ذکر و شکر اور حسن عبادت پر مدد کر“۔ شیخ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: ”محبوس تو وہ شخص ہوتا ہے کہ اپنے رب سے جس کا قلب محبوس ہو، اور قید تو وہ ہوتا ہے جسے اس کے خواہشات نے قید کر رکھا ہو“۔ (الوابل الصیب من الکلم الطیب لابن القیم ص ۶۶-۶۷)۔

ذاتی تربیت کے یہ اسباب و وسائل اور ثمرات و نتائج ہیں جنہیں بیان کرنا ہمارے لئے ممکن ہو سکا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتابچہ سے قارئین کو نفع پہنچائے اور اسے اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اپنی پسند و خوشی کے کاموں کے انجام دینے کی توفیق

ارزانی عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ، و صلی اللہ وسلم
علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین .
آپ کا خلوص کیش
مشتاق احمد کریمی
صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار